۹۲

ان اللہ لطیف خبیر

اللطیف

دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور





زیرِ ظلِ حمایت و سرپرستی

اعلیٰحضرت مولٰنا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مد ظلہٗ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

مُدیران:-

حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب

قبلہ قادری بی اے۔ ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

مولانا محمد طیب الدین اشرفی مونگیری پروفیسر دار العلوم لطیفیہ

مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی پروفیسر دار العلوم لطیفیہ

مولانا سید مصطفٰے حسین بخاری کڑپوی جنرل سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف

دار العلوم لطیفیہ

نمائندگانِ طلباء:-

مولوی محمد شبّیر اکرمی بھٹکلی

سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف

" سید انوار اللہ تورگل

مانیٹر دار العلوم لطیفیہ

" ڈی یف فیاض محی الدین بھٹکلی

نائب سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف

" محمد ابوبکر ملیباری

نائب سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف

دار العلوم لطیفیہ

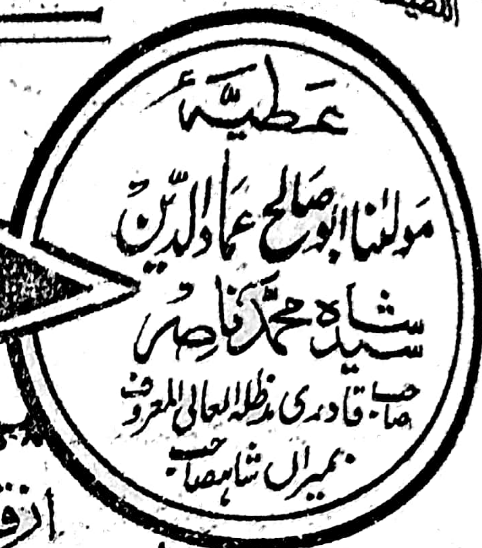
از سنہ ۱۳۸۵ھ تا سنہ ۱۳۸۶ھ م

سنہ ۱۹۶۶ء

مطبوعہ عزیز الیکٹرک قومی پریس لبے مسجد سرشتہ محکمہ روڈ

فہرست مضامین





از قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ
حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ

تدبیر تو کرتے ہیں، تقدیر خدا دینا
دارو بھی کھلاتے ہیں تاثیر خدا دینا

ہر میر جو آتا ہے عالم پہ ستم کرنے
عالم پہ کرم کرنے کوں میر خدا دینا

اس نفس کے پھندے سوں ہونے کو خلاصی کچھ
پیراں تو پکڑتے ہیں پن پیر خدا دینا

ہر فقر جو آتا ہے بیگی سوں گذر جاتا
پن فقر ہمارے کوں تیسیر خدا دینا

پابوس سوں عالم کی توقیر نہیں آتی
بندے کوں عنایت سوں توقیر خدا دینا

فی انفسکم بولیا عرفاں کے گھر ولیا
اس آیت مشکل کی تفسیر خدا دینا

اس نہ ہدیائی سوں دل صاف نہیں ہوتا
قربی یو سیاہی کوں تنویر خدا دینا

نظرِ اولین

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا ایک اور علمی سال بخیر و خوبی بیت چکا ہے اور علم دوست خانوادۂ اقطابِ ویلور نے اپنے مقاصد اور عزم مصمم کی راہ میں ایک اور کامیاب قدم آگے کی جانب اُٹھا دیا ہے۔ دارالعلوم کی کارگذاریوں کو پیش کرنے اور طالب علموں کے علمی حوصلوں کو بڑھانے کی خاطر سالہائے گزشتہ کی طرح امسال بھی اللطیف آپ تک پہنچایا گیا ہے۔ اس موقعہ پر چند اہم امور کی جانب ہم مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں نے حصولِ علم میں جتنی مسکنت گوارا کی، اللہ نے اس سے کہیں زیادہ حصول علم کے بعد مجھے عزت بخشی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ ان تمام علماء پر بھی صادق آتا ہے جنہوں نے علم کو ایک عظیم مقصد کے تحت حاصل کیا۔ اس کے لئے انہوں نے کیا کیا صعوبتیں نہیں اٹھائیں۔ جنگلوں کی پتیاں چبا چبا کر زندگی گزاری۔ پھٹے پرانے کپڑوں سے اپنے بدن کو ڈھانپا۔ اور حصول علم میں مشغول رہے جب ان کی تاباں پیشانیوں پر علم کا ستارہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگانے لگا اور ان کی مقبولیت نے ایک دن زمانے کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تو دنیا ان کی اس دولت پر رشک کرنے لگی۔ مقصد کی بلندی نے انہیں نہ صرف مقبول خدا بنایا، بلکہ مقبول زمانہ بھی کر دیا۔

حصول علم کے لئے بڑے صالح قلب کی ضرورت ہے قلب کی کیفیت جیسی ہوگی ظاہر بھی اس سے متاثر ہوگا اور پھر ظاہر جیسا ہوگا خلقِ خدا میں اس انداز سے رد و قبول کے اثرات بھی رُونما ہوں گے۔ امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ تم جب علم سیکھو تو اس کا اثر وقار کی شکل میں تم پر ظاہر ہونا چاہیئے۔ وقار ایک غیر عالم کے لئے بھی ذریعۂ قبولیت ہوگا۔ لیکن اس کے وقار میں صرف شخصی قبولیت کی تاثیر ہوگی، مگر عالم کے وقار میں اس کے علم کی قبولیت بھی ہے، اور اس کا علم شخصی قبولیت کے طفیل میں بڑی خدمات انجام دے سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر علم کے ساتھ وقار کا سر رشتہ ہاتھ سے جاتا رہے تو شخصی تذلیل کے ساتھ اس کے علم کی بھی تذلیل ہوگی۔ جو انسانوں کو معزز و محترم بنانے کا ذریعہ ہے۔ اہل علم کے لئے وہ وقت اور بھی زیادہ آزمائش کا ہو جاتا ہے جب معاشرہ میں بہت سے اہل علم اس مزاج کے ہوں کہ علم کا وقار کھو کر عوام کی نچلی سطح پر آ گئے ہوں۔ اور چاہتے ہوں کہ بچے کھچے باوقار اہل علم بھی اُن کی سطح پر آ کر خاک بازی کرنے لگیں۔ ایسے آزمائشی وقت میں ان عالموں کا مرتبہ اور بھی بلند ہو جاتا ہے جو وقار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں۔

ویلور کا ظلمت کدہ جہاں عارفِ زماں حضرتؒ

سیدشاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے شمع اسلام روشن وفروزاں کیا۔ اس کی ضیاء روز بروز پھیلتی ہی گئی اور ان کے صاحبزادے حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں سارا جنوب اس سے تاباں وروشن ہوگیا۔ اس خاندان کے آفتاب عالم تاب حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کا جب دور آیا تو آپ بھی اپنے اسلاف کی طرح اپنے وقار علمی کو محفوظ رکھتے ہوئے خدمت اسلام اور اصلاح خلق میں مصروف رہے۔ بہت سے اہل علم اور غیر اہل علم کو اس علم و وقار کے کوہ گراں کی عظمت نہ دیکھی گئی تو آپ پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی اور چاہا کہ علم و وقار کا یہ آفتاب بھی گمنامی کے پردے میں آجائے لیکن تاریخ شاھد ہے کہ چمکنے والا چمکتا ہی رہا۔ اور تاریخ ان کی تابندگی کے ترانے گاتی رہی اور روسیاہ ہمیشہ تاریخ میں روسیاہ ہی رہا —— یہ دارالعلوم جس کی عظمت سے کون واقف نہیں، انہی برگزیدہ ہستیوں کا زندۂ جاوید کارنامہ ہے۔

آج کے اس تیزی سے بدلتے ہوئے دور میں مذہبی علوم سے دوری بڑھتی جارہی ہے اور دن بدن لوگ اس سے غیر مانوس ہوتے جارہے ہیں۔ مذہبی علم حاصل کرنے والوں کے پیش نظر یہی ایک سوال گردش کررہا ہے کہ ایک مذہبی ادارے میں نو سال کی طویل مدت گزارنے کے بعد بھی معاشی الجھنوں کے تدارک کی کوئی راہ نہیں ہے۔ بظاہر یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے لیکن اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہ سوال سرتاسر حقیقت سے خالی نظر آئے گا۔ کیونکہ اس سوال کا حتمی جواب مختصر لفظوں میں یوں دیا جاسکتا ہے کہ معاش کا حل کسی مخصوص زبان کے سیکھنے پر موقوف نہیں جبکہ ساری کائنات کا رب حق تعالیٰ ہے اور بلاامتیاز وہ ہر ایک کے لئے اسباب زندگی مہیا کرتا ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ہر مخلوق کی روزی اس کے ذمہ ہے اور آج جبکہ ہندوستان کے اندر چوتھائی آبادی بھی تعلیم یافتہ نہیں اور خصوصاً جدید تعلیم سے آراستہ لوگوں کی تعداد تو بالکل ہی محدود ہے تو کیا قدرت نے ماسوا کو اپنی عطاء سے محروم رکھا ہے؟ معلوم ہوا کہ ایسا سوچنا نفس الامر کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی طالب العلم پر یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں شاید وہ اس سے واقف نہیں کہ عربی کا شمار دنیا کی دوسری بین الاقوامی زبانوں میں کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی اہمیت میں انگریزی زبان کا پہلا درجہ ہے۔ جب عربی کی اہمیت اس طرح مسلم ہے تو ہر ایک دینی علم کے حاصل کرنے والے کو اس بات پر نازاں ہونا چاہئے کہ انہوں نے نہ صرف خدا اور رسول کے پیغامات کو سمجھا ہے بلکہ ایسی زبان بھی حاصل کی ہے جس کے حصول کے لئے مشرق وسطیٰ اور مغربی ممالک کے عوام ترستے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک انگریزی طالب علم نو سال کی مدت میں انگریزی میں عشر عشیر بھی عبور نہیں حاصل کرتا، جتنا ایک عربی طالب علم حاصل کرلیتا ہے۔

اس زبان کو ہمارے طلباء کس طرح کارآمد بنا سکتے ہیں؟ اور اس سے معاش کی کیا صورت پیدا ہوسکتی ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک عربی طالب علم عربی کے طفیل میں اس قدر بالغ الذہن ہوجاتا ہے کہ وہ دوسری

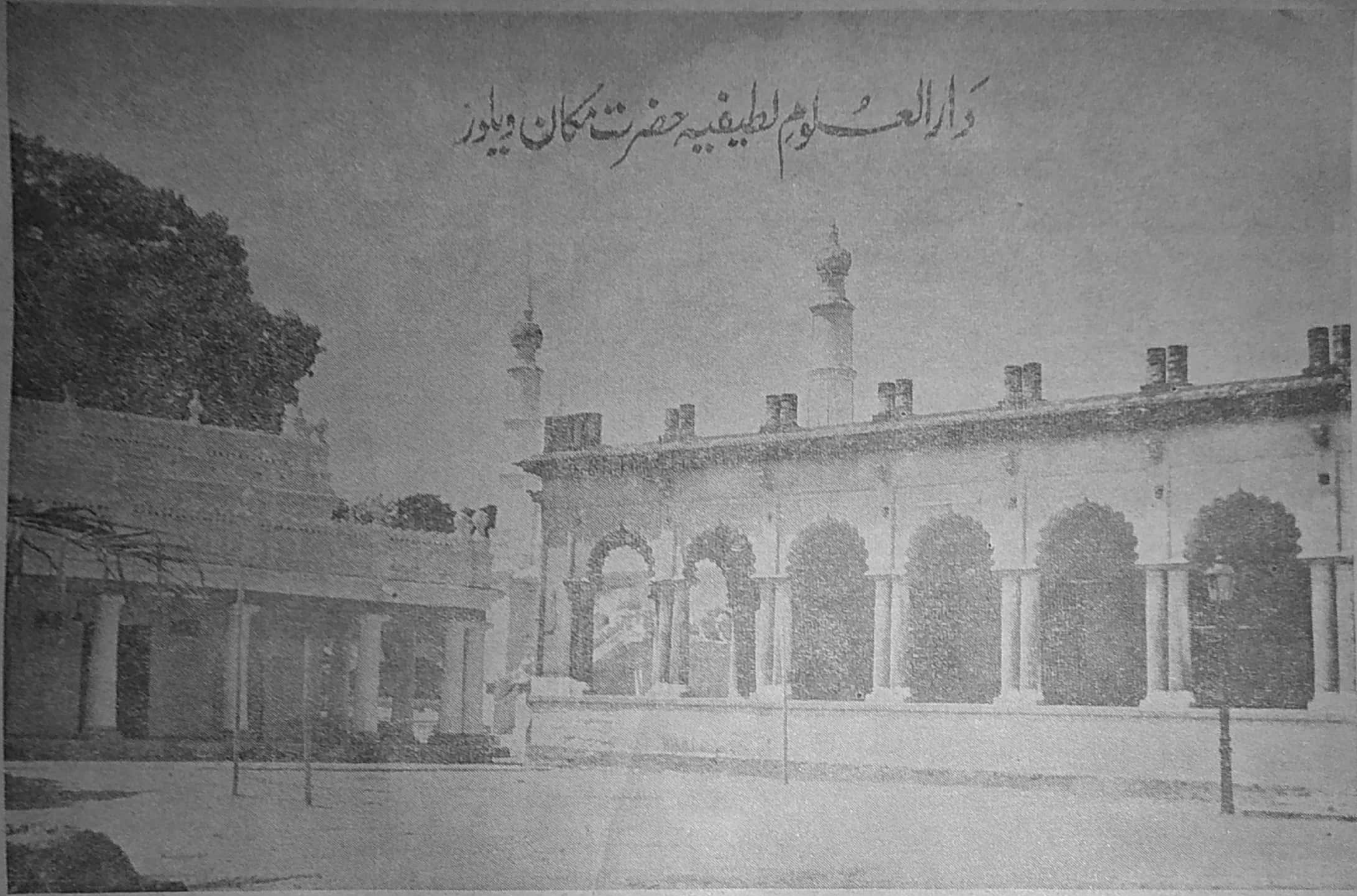
زبانوں کے محاسن کو فوری طور پر اخذ کرسکتا ہے۔ ایک دو سال کی محنت کے بعد وہ انگریزی کا کوئی امتحان ضرور پاس کرسکتا ہے۔ ہم نے بےشمار ایسے بھی دینی طالب علم دیکھے ہیں جنہوں نے انگریزی میں امتیازی کامیابی حاصل کی۔ کسی بھی زبان کے ادب اور اس کے گرامر کو حاصل کرلینا ایک عربی طالب علم کے لئے معمولی بات ہوگی۔ نیز اس طرح کا جائزہ لیا جائے تو ایک! درحقیقت یہ بھی واضح ہوگی کہ ایک انگریزی طالب علم کو ایک خاص مقام تک پہنچنے کے لئے جتنی مدت درکار ہوتی ہے، اتنی ہی مدت میں ایک دینی طالب علم بھی نہ صرف اس مقام تک پہنچ جاتا ہے بلکہ عربی طالب علم کا مقام اور بھی بلند ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ دو عظیم بین الاقوامی زبانوں سے واقف ہوتا ہے۔

یہی عربی طالب علم جب اونچی تعلیم کے لئے کالجوں میں داخلہ لیتا ہے تو کالج کے پروفیسر اس کی صلاحیت پر رشک کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح ہمارے دین کے ساتھ ساتھ دنیا بھی سنور سکتی ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ مسلمان ان مسائل کا گہرا جائزہ لیں گے۔ اور دیکھیں کہ آیا مذہبی تعلیم معاشی زندگی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے، یا طالب علم کے وقار کو اور بلند کردیتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقار کا ذکر کیا ہے وہ وقار ایسے طالب علم میں بدرجۂ اتم موجود ہوگا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہم مسلمانوں کو اس حقیقت پر غور کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

اللطیف گزشتہ برسوں کی طرح امسال بھی پیش خدمت ہے۔ مضامین کا تنوع، طلباء کے طرز فکر کی رنگارنگی اور اس کے ساتھ ان کی نظریاتی یکجہتی امید ہے کہ ناظرین کو پسند آئے گی۔

محمد طیب الدین اشرفی



دار العلوم لطیفیہ، درگاہِ شریف اور مسجدِ مکان حضرت قطبِ ویلور
کا ایک روح پرور، و دلکش منظر



روئداد دار العلوم لطیفیہ

دار العلوم لطیفیہ کی صدیوں سے علمی و دینی خدمات اظہر من الشمس ہے۔ ہر دور میں نمایاں خدمات انجام دیتا رہا ہے، اور قابل علماء پیدا کرتا رہا ہے اور اب بھی دورِ ھٰذا کے پیش نظر بچوں کی تربیت کر رہا ہے۔ کہ بچے علمی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کے نمونہ بن کر نکلیں، اور قوم و ملت کے صحیح رہنما ثابت ہوں، اور اسلام سے نا آشنا لوگوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ اور جو لوگ اسلام کا دور پڑھے ہوئے ہیں ان کو اپنے اخلاقِ حسنہ سے قریب تر کرنے کی کوشش کریں۔ اس لئے کہ اخلاقِ حسنہ ہی وہ اہم ذریعہ ہے جس کے ذریعہ اسلام نے زیادہ سے زیادہ ترقی کی اور تیزی سے پوری دنیا میں پھیلا۔

اسبابِ صحت

دار العلوم نے طلباء کے لئے ہر روز کھیلنے کا سامان مہیا کیا ہے، جو تفریح کے ساتھ ان کی صحت کے لئے بھی مفید ہے۔ اور ادھر اُدھر بیکار پھرنے سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے۔ ہر دن شام میں مدرسہ چھوٹنے کے بعد نمازِ عصر سے فارغ ہو کر مغرب تک والی بال۔ بیڈ منٹن اور ٹنی کائیٹ وغیرہ کھیلتے ہیں۔ جس سے اُن کی ایک اچھی خاصی ورزش بھی ہو جایا کرتی ہے۔

امتحانات و انعامات

ہمیشہ دار العلوم میں تین امتحان سہ ماہی ششماہی اور سالانہ ہوا کرتے ہیں۔ اول دو امتحان اساتذۂ دار العلوم ہی لیا کرتے ہیں اور سالانہ میں ہمیشہ باہر کے ممتحنین ہوتے ہیں۔ نیز شعبۂ حفظ کے لئے بھی سالانہ میں باہر کے حافظ بلائے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اس سال بھی درجات عالیہ، مولوی عالم فاضل کے امتحان باہر ہی کے ممتحنین نے لیا اور شعبۂ حفظ کے لئے باہر سے حافظ بلائے گئے۔ اور امتحان کے بعد سالانہ اجلاس میں کتب درسیات و مقابلہ تجوید و مقالہ نویسی و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو ان کی حوصلہ افزائی کی خاطر انعامات سے نوازا گیا۔

سندِ عالم و فاضل

یہاں عالم کا دو سال کا کورس ہے۔ سال اول میں جلالین۔ مشکوٰۃ۔ شرح عقائد نسفی۔ ہدایہ اولین۔ محلی۔ اخلاق ناصری۔ ملا حسن۔ اور سال دوم میں بخاری، مسلم، ترمذی ہدایہ آخرین۔ محلی ثانی۔ سراجی۔ دیوان حافظ۔ تفسیر مدارک پڑھائی جاتی ہے اور اسی طرح فاضل کا دو سال کا کورس ہے۔ اول سال میں طحاوی۔ بیضاوی۔ مسلم الثبوت میر زاہد ملا جلال۔ میبذی۔ حماسہ۔ سکندر نامہ۔ اور سال دوم میں فصوص الحکم ابن عربی۔ جواہر الحقائق۔ جواہر السلوک از حضرت قطب ویلور۔ تحفۂ مرسلہ۔ احیاء العلوم

حجۃ اللہ البالغہ - ابن ماجہ - معجز مصطفےٰ پڑھائی جاتی ہے - یہ انگریزی کے بی اے - اور ایم اے کے برابر ہے - اس کے بعد سندِ عالم و فاضل دی جاتی ہے - ہر سال کی طرح اس سال بھی دورۂ حدیث شریف ۲۵ رجب کو ختم ہوا! اور امتحان میں کامیاب ہونے والے طلباء کو سندِ عالم و فاضل مع دستار و عباء عطا کی گئی -

انجمن دائرۃ المعارف کے جلسے

انجمن مذکور کا مقصد طلباء میں خطابت کی صلاحیت پیدا کرنا اور مافی الضمیر کو صحیح طریقہ سے ادا کرنے کا سلیقہ سکھانا ہے تاکہ وہ پیغام حق اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ دنیا میں پہنچا سکیں - اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں سے یقین ہے کہ وہ ضرور ہماری کوششوں کو کامیابی عطا کرے گا -

انجمن مذکور کا ہفتہ میں ایک جلاس جس میں دو نشستیں ایک شب جمعہ دوسری روز جمعہ ہوا کرتی ہیں - مورخہ ۲ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۳ مارچ ۱۹۶۶ء شب دوشنبہ انجمن دائرۃ المعارف کے سالانہ افتتاحی اجلاس میں طلبائے عزیز سے خطاب کرنے کے لئے جناب بی ایم - انور صاحب ایم اے ممبر پارلیمنٹ کو مدعو کیا گیا - جس کی صدارت عالیجناب فضیلت مآب اعلیٰحضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور نے کی - جلسہ کی ابتدائی تلاوت قرآن کریم اور نعت خوانی کے بعد حضرت صدر نے احادیث کی روشنی میں ام الکتاب سورۂ فاتحہ کی فضیلت پر روشنی ڈالی اور متصوفانہ رنگ میں اس کے حقائق و اسرار بتاتے ہوئے طلباء دار العلوم سے بزرگانہ نصیحتوں پر مبنی خطاب فرمایا کہ تمہیں صاحب صدق و صفا اور علم و عمل کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے جانا ہے - پھر مدعو معزز مہمان جناب بی - محمد انور صاحب ایم اے نے طلباء دار العلوم سے اپنے مخصوص انداز فکر میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج میں اس مقدس مقام میں آپ سے مخاطب ہوں جس کے بارے میں اکثر والد بزرگوار کہا کرتے تھے کہ اگر اخلاق سیکھنا ہے تو حضرت مکان جاؤ جہاں تم کو اخلاق حسنہ کے زندہ نمونے ملینگے - اخلاق ہی وہ عظیم سرمایہ ہے جس سے بے نیاز ہو کر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی - میں ۲۰ سال پیشتر جب میں پہلی بار لندن گیا تھا تو ویسٹ منسٹر چرچ کے دروازہ پر یہ لکھا دیکھا " دولت کھو دیا تو کچھ نہیں کھویا صحت کھویا تو کچھ کھویا اور جب اخلاق کھو دیا تو سب کچھ کھو دیا " ----- ا برٹش میوزیم میں ایک تختہ پر کندہ اقبال کے مبنی بر حقیقت چند اشعار دیکھا جو انہوں نے نوجوانان اسلام سے درد انگیز الفاظ میں خطاب کیا تھا - وہ اقبال کی سچی تڑپ تھی جس نے وہاں بھی اسے خاموش نہ رہنے دیا -

میرے عزیز بچو! خوش نصیب ہو تم کہ جس شئی کو اقبال نے یورپ کی سرزمین پر نہ پایا تھا وہ تمہیں یہاں مل رہی ہے - میرے عزیزو! اسلام بہت اونچا اور بلند ہے مگر افسوس کہ اس وقت کا مسلمان نیچا ہوتا جا رہا ہے - یہ ملک جہاں تم اپنی زندگی کے قیمتی ترین لمحات گذار رہے ہو جمہوریت کا دعویدار ہے - اس کی صحیح کامیابی دینی تعلیم پر

موقوف ہے۔ جیسا کہ یہاں کے اغیار دانشمندوں کا بھی اقرار ہے کہ ہندوستان کی کامیاب تنظیم مذہبی تعلیم پر موقوف ہے۔

یہ ادارہ جس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ قوم سے بے نیاز ہو کر آپ اپنا کفیل ہے اور اسلاف کے پورے نمونے اپنے اندر رکھتا ہے، مجھے یقین ہے تم اسلاف اور یہاں کے بزرگوں کے قیمتی جوہروں سے اپنا دامن بھرتے ہوئے ایسا درخشاں و تاباں آفتاب و ماہتاب بن کر نکلو گے جس سے دورِ جدید کے تقاضے پورا کر سکو۔

یہ مقدس سرزمین جہاں زمانے سے انسانیت سنورتی آئی ہے تم ایک کامیاب رہنما بننے کے لئے آئے ہو، میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ہاں تم پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنی آواز کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے بین الاقوامی زبان بھی اپناؤ۔ اسلام اپنے اندر کشش رکھتا ہے جس کے سامنے دنیا خود بخود کشاں کشاں آرہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تم کامیاب علمبردار بن کر دنیا کے سامنے آؤ۔

آپ کے بعد عالیجناب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری بی۔اے، ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور نے اپنے خاص انداز میں معزز مہمان کے ملکی ملّی اور قومی خدمات سے اہلِ محفل کو روشناس کراتے ہوئے دارالعلوم کے تعلیمی و تنظیمی کارناموں پر روشنی ڈالی۔ فرمایا بحمداللہ دارالعلوم نے طلباء کی دیگر ترقیوں کے راستے پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل اور ادیب فاضل اور انگریزی کے لئے بھی دروازے کھول دئے ہیں، جس میں بہت سے طلباء شریک ہو رہے ہیں۔ اور مزید ترقیوں کے لئے معقول انتظام کیا جا رہا ہے۔ آخر میں اہلِ محفل اور معززِ مہمان کا شکریہ ادا فرمایا۔ جلسہ بڑی نمایاں کامیابی کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پر ختم ہوا۔

امسال کم و بیش انجمن ہٰذا کے چالیس۴۰ اجلاس ہوئے جن میں قابلِ ذکر مخصوص جلسے حسبِ ذیل ہیں۔

۱۰ ربیع الاول کو مہتم بالشان جشن ولادت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم منایا گیا جس میں جملہ اساتذہ و طلباء دارالعلوم لطیفیہ نے سیرت طیبہ پر جامع اور مکمل روشنی ڈالی۔ اور ۱۱ ربیع الثانی کی شب میں سلطان العارفین شیخ المشائخ غوث الاعظم سید شاہ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی سیرت زندگی پر اساتذہ و طلباء دارالعلوم نے روشنی ڈالی اور ۱۵ اگست بروز دوشنبہ کو یوم آزادی کے موقع پر مولانا محمد طیب الدین صاحب اشرفی اور مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی اور مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے آزادی پر تقریریں کیں۔ مذکورہ خصوصی اجلاس مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مدظلہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے زیر صدارت منعقد ہوئے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

طلباء دارالعلوم کی علمی ترقیوں کے پیش نظر مذکورہ بورڈ وجود میں آیا۔ بورڈ مذکور کی جانب سے سال میں ایک مرتبہ رسالہ اللطیف نکلتا ہے۔ جس میں طلباء اور اساتذہ وغیرہ کے مضامین ہوتے ہیں۔ طلباء کو بورڈ کی جانب سے موضوع

دیا جاتا ہے۔ بچے حسب صلاحیت کتابوں کے مطالعہ سے مواد فراہم کر کے مضامین تیار کرنے کے بعد بورڈ کے حوالے کرتے ہیں۔ بورڈ مذکور اپنے متعینہ معیار کے مطابق مضامین کا انتخاب کرتا ہے۔ جن بچوں کے مضامین بورڈ کے معیار پر نہیں اُترتے ہیں اُنہیں رہنمائی کر کے مزید محنت کی تاکید کیجاتی ہے تاکہ وہ بورڈ کے معیار پر پورے پورے اُتر سکیں اور قابل اشاعت ہو جائیں۔

دارالتّصنیف والاشاعت

دارالتّصنیف کے وجود میں آنے کا واحد مقصد بزرگانِ مکان حضرت قطبؒ ویلور کی جملہ تصانیف افادۂ عوام اور خدمت علم و دین کے پیشِ نظر مع تراجم اور بعض قابل تشریح مضامین کی تشریح کے ساتھ منظر عام پر لانا ہے۔ چنانچہ بزرگانِ مکان قدس اللہ اسرارہم کے حالات زندگی مسمّی بہ **انوار اقطاب ویلور** اور بیعت سے متعلق **حضرت محوی** رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ **بیعت غائب و حاضر** اور عقائد سے متعلق **حضرت قربی** رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ میزان العقائد شائع کیا گیا۔ اور رسائل حضرت قربی رحمۃ اللہ علیہ کے **مختلف رسائل کا مجموعہ** مع ترجمہ منظر عام پر آ رہا ہے۔ رسالۂ مذکور کے اندر حضرت نے تصوف کے ہر مسئلہ پر اجمالاً بحث کی ہے اور وحدت الوجود سے متعلق اپنے مسلک کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے جسکی اہمیت دیکھنے کے بعد ہی صحیح معنی میں سمجھی جا سکتی ہے۔

پیغام مسرت

شائقین علوم کے لئے نہایت ہی مسرت اور حوصلہ افزا خبر ہے کہ دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور کا تعلق مدراس یونیورسٹی سے ہو گیا ہے اور اب دارالعلوم ہذا سے متعلق طلباء بآسانی افضل العلماء، منشی فاضل، ادیب فاضل کے **یونیورسٹی امتحان** میں شریک ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ گئے سال نو ۹ شریک ہونے والوں سے آٹھ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس طرح دارالعلوم نے ان کے لئے دین کے ساتھ دنیاوی ترقی کی بھی راہیں کھول دی ہیں۔

اطبّاء و ڈاکٹروں کی خدمت میں

ہم ان اطبّاء اور ڈاکٹروں کی خدمت میں تہ دل سے ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں جنہوں نے طلبائے دارالعلوم کے موسمی اثرات سے متاثر ہونے پر ان کی جانب فوری اور خصوصی توجہ فرمائی اور نہایت ہمدردی سے ان کی صحت بحالی کرنے کی کوشش کی، مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان کو دینی و دنیوی ترقیوں سے نوازے (آمین)۔

مدیران اخبار و مطابع کی خدمت میں

مدیران اخبار مسلمان آزاد۔ سالار۔ اور پاسبان جنہوں نے دارالعلوم لطیفیہ کی وقتاً فوقتاً مختلف کارروائیوں کی رپورٹ شائع کی۔ اور جناب مولوی عبدالمتین صاحب مالک یلیکٹرک قومی پریس بنگلور اور مالک ہمدرد پریس سید فضل اللہ صاحب اندرون عزیزیہ بازار احاطہ مسجد والاجاہی مدراس ۵ جنہوں نے ہماری مطلوبہ ضروریات کی اشاعت کو مقدم فرما کر ہمت افزائی کی، ہم ان کے تہ دل سے مشکور ہیں اور دست بدعا ہیں کہ مولا تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں انہیں دن دونی رات چوگنی ترقیوں سے نوازے (آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

۸۶/۹۲

گہر ہائے صدف



اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے انتہا نوازشات فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کو انسانِ کامل بنایا اور اُسے بے شمار نعمتوں سے سرفراز۔ اس کی ہدایت و رہبری کے لئے وقتاً فوقتاً پیغمبروں کو مبعوث فرماتا رہا اور آخر میں پیغمبر آخر الزماں کو رحمۃٌ للعالمین بنا کر دنیا میں جلوہ افروز فرمایا اور آپ کی برگزیدہ اُمت میں برگزیدہ ہستیوں کو مرتبۂ ولایت سے سرفراز کیا۔ علمِ ظاہر کے ساتھ علمِ باطن عطا فرمایا۔ اسی نعمتِ عظمیٰ پر دلی تاثرات کو منظرِ عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔

تاریخ دہرائی جاتی ہے اور اسی مقدس تاریخ کی برگزیدہ ہستیوں کے واقعات قلم بند کئے جاتے ہیں، تاکہ یہ گہر ہائے صدف۔ زمانے کے حوادثات کے شکار نہ بن جائیں،

صاحب جواہر السلوک اپنی تصنیف لطیف میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں کہ صاحب کمال اور ولی معظم کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی جنگل یا پہاڑ پر جا بیٹھے۔ اور اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ یہ طریقہ سنتِ مطہرہ کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک مسجد میں امامت فرماتے۔ لوگوں میں رہ کر دین کی تبلیغ بلیغ کرتے۔ اور میدان جنگ میں سپاہ سالار ہوتے تھے اور عبادت و ریاضت بھی سب سے زیادہ کرتے حقیقت میں یہی راہِ طریقت ہے۔

حق سُبحانہٗ تعالیٰ اپنے مُقرب بندوں کے ذریعے اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر فرماتا رہتا ہے پیشِ نظر مضمون میں چند واقعات ایسے ہیں جن سے اللہ کے مقرب بندوں کے علمِ باطن اور کشفِ کامل کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان قدرتِ الٰہی کے جلوے مُشاہدہ کرنے کی بصیرت پیدا کرے۔

گلشنِ مصطفویؐ کے خوشہ چین حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربی رحمۃ اللہ علیہ جن کی زندگی اپنے جد سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے مطابق رہی اور تا زیست اسی پر ثابت قدم رہے آپ کے زرین دور میں علم کو بے انتہا تقویت پہنچی۔ جہالت کی تاریکی کو مٹا کر گھر گھر علم کی روشنی پھیلائے اور اس ملک کرناٹک میں الحاد و زندقہ کی جڑ اکھیڑ کر خالص توحید کو پھیلایا۔ اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کر کے سنتِ مطہرہ کو جاری فرمایا۔ حضرت شاہ محی الدین

ذوقی لطائف لطیفی میں اپنے پدر بزرگوار کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضرت کا وجودِ مسعود اگر اس ملک میں نہ ہوتا تو یہاں کے اکثر لوگ بدعت والحاد میں مبتلا ہو جاتے۔ حضرت کی ذاتِ بابرکات سے علم اس قدر پھیلا کہ جنوب کے گوشہ گوشہ میں آپ کے فیض یافتہ شاگرد بھر گئے۔

آپ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ نواب والا جاہ نے آپ کی خدمت میں سالانہ بارہ ہزار روپیوں کی آمد کا پروانہ جب نذر پیش کیا تو آپ نے اس کو نذرِ شمع فرما دیا۔ آپ کے فرزند عزیز حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری عرف حضرت شاہ محی الدین ذوقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خدمتِ علم کو بامِ عروج پر پہنچایا اور شرک و بدعت کا سختی سے قلع قمع کیا اور کثیر التعداد تصانیف آپ کے نوکِ قلم سے وجود میں آئیں۔ آپ کی خالص لوجہ اللہ کوشش سے سینکڑوں ہزاروں لوگ گمراہی سے بچ گئے۔

انہیں صاحب دل اور روشن ضمیر بزرگوں کے علم باطن کے متعلق یوں روایت بیان کی جاتی ہے کہ کوئی دو سو سال قبل حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؒ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے صاحبزادے نے بیک وقت ایک شب میں خواب میں دیکھا کہ حضرت سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہٗ صحن مسجد مکان حضرت قطب ویلور میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت شاہ محی الدین ذوقی رحمۃ اللہ علیہ حضور سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں قطبیت کے درجہ کے طلبگار ہوئے تو آپ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

جب آپ بیدار ہوئے تو صبح کی اذاں ہو رہی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ رات کا خواب بیان کرنے جوں ہی آپ آگے بڑھے تو والد بزرگوار نے فرمایا کہ جب قطبیت کے درجہ سے بڑھکر دو درجہ حاصل تھے تو تمہیں اس سے بڑھکر طلب کرنا چاہئے تھا۔ جو بشارت فرزند کو ہوئی والد بزرگوار بھی مشاہدہ فرما رہے تھے۔

خاندان والا شان میں تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد جبکہ حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا ایک شب آپ اور آپ کے فرزند حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری مشہور بہ حضرت مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ ظاہر کا حال باطن میں مشاہدہ فرما رہے تھے۔ کہ ایک شخص جو معمر اور نحیف تھا مکان حضرت قطب ویلور کے روبرو قلعۂ ویلور اور خندق کے بازو ایک بڑے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے، ہر حال میں حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے نام کو اپنا وظیفہ بنا رکھا تھا۔ ہر وقت یہی کہا کرتا تھا کہ یا میرے پیر قربی، یا میرے پیر قربی۔ جس شب اس کا انتقال ہوا، اُس شب حضرت موصوف اور آپ کے فرزند عزیز نے بیک وقت خواب میں دیکھا کہ درگاہ شریف کا دروازہ کھلا اور حضرت قربیؒ باہر آئے اور اس کو اندر لے گئے۔ اور دروازہ بند ہو گیا۔ جب یہ دونوں خواب سے

بیدار ہوئے تو مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی، آپ نے فوراً ملازم کو اس کا حال دریافت کرنے بھیجا تو معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی سے کون واقف نہیں۔ یہ وہ شاندار زمانہ تھا کہ اشاعتِ علم کے ساتھ ساتھ دین کی تبلیغ بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہی تھی، اللہ و رسول ؐ کے سچے عاشق حج بیت اللہ کے بعد جب روضۂ اقدس پر حاضری دینے تشریف لے گئے اور آپ نے سلام پیش کیا تو سیکڑوں لوگوں کے سامنے وعلیکم السلام کا جواب ملا۔ آپ کے دستِ حق پرست پر عرب و عجم میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ بیعت سے مشرف ہوئے۔

آپ کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ ۱۲۸۹ھ میں جب آپ کا وصال مدینۂ منورہ میں ہوا اور آپ کے صاحبزادے بھی اس وقت وہیں تھے تو ایک روز قندھار سے ایک مسافر حضرت مکان آیا اور مسجد میں قیام کیا۔ اس نے اپنا حال کسی پر ظاہر نہ کیا اور بھوکا رہ گیا حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ اس شب خادمہ کے خواب میں آکر غصہ سے فرمانے لگے کہ مسجد میں وہ مسافر بھوکا رہ گیا اور کسی نے اس کی خبر نہ لی۔ اس نے عرض کی، کہ حضرت وہ کون ہے۔ فرمایا کہ فلاں سید قندھاری۔ خادمہ نے کہا کھانا تو حاضر ہے مگر سالن نہیں۔ فرمایا کہ چٹنی ہی سہی۔ خادمہ خواب سے جلد بیدار ہو کر کھانا سالن تیار کر کے صبح کی اذاں کے بعد خوان اس قندھاری کے سامنے پیش کیا۔ اس نے حیرت سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے۔ اس نے صورت واقعہ بیان کی مسافر نے کہا کہ اسکی تصدیق تو کر لی جاتی۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ اسکی ضرورت نہیں۔ آپ تو موجود ہیں، کہ نہیں۔

حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین، سید شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور واقعات انوارِ اقطاب ویلور میں تفصیل سے آچکے ہیں لیکن یہ ایک ایسا حیران کن واقعہ ہے جو پہلی بار منظرِ عام پر آرہا ہے۔ مارچ ۱۹۵۱ء کا زمانہ تھا کہ ایک روز صبح کے دس بجے مجھے کسی ضرورت کی تحت آفس سے حضرت قبلہ کے حجرے میں گیا دیکھا کہ آپ جھولے سے دروازے کی چوکھٹ تک جلد جلد ٹہل رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ جونہی میں اندر داخل ہوا تو، مجھے دیکھ کر آپ مسند پر جا بیٹھے اور آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت پیر! آج سے تین دن قبل میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں کہ بیوی ماں کی دوا سے اثر اٹھا لیا گیا ہے اور اُن کا وقت قریب ہے۔ ان کے لئے میرا دل رو رہا ہے حضرت قبلہ سے چھوٹی بہن جن کو بیوی ماں پکارتے تھے، جو چند دنوں سے علیل تھیں وہ حضرت مولانا ابو صالح سید شاہ احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ جاگیر دار عرس ورنگل کی زوجہ تھیں۔

صبح کے ساڑھے دس بج چکے تھے میں نے کہا کہ بہت دیر ہو چکی ہے آپ گھر جا کر ناشتہ کر لیں۔ لہٰذا آپ گھر تشریف لے گئے اور میں آفس کو آگیا۔ تھوڑی دیر بھی

نہ گزری تھی کہ کسی خاص ضرورت کی تحت مجھے پھر گھر جانا پڑا۔ وہاں پہنچکر دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ کرسی پر بیٹھے ہیں اور بہن پلنگ پر ہیں۔ دونوں بھائی بہن کے آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ حضرت قبلہ کو ان کی موت کا یقین تھا۔ اس لئے کہ ان کی موت کی بشارت ہو چکی تھی اور بہن کو یقین ہو چکا تھا کہ بیماری کی وجہ سے ان کی موت قریب ہے۔

یہ ایک ایسا ٹریجک منظر تھا جس کی وجہ سے خود بخود میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ موت کی بشارت اور بہن کی خطرناک علالت سے میں پہلے ہی سے واقف تھا۔ لہٰذا اس دردانگیز منظر سے ہیں متاثر نہیں رہ سکا۔

چنانچہ حسب بشارتِ عالیہ ایک ہفتہ کے اندر انتقال پر ملال ہو گیا۔

بزرگانِ دین کے ان واقعات سے کوئی تعجب نہیں کہ مسلسل ہر زمانے میں ایسے سینکڑوں واقعات اور کرامات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں کو علم باطن سے نوازتا ہے۔ اب بھی ان بزرگوں کے تصرفات، برکات و فیوضات کا لامتناہی سلسلہ جاری و ساری ہے۔



ولی اور ولایت

حضرت مولانا ابوالحسن سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی فرمائش پر یہ مضمون لکھا گیا ہے امید ہے عاشقان اہل اللہ کو پسند آئیگا۔

از
محمد طیب الحق اشرفی

انبیأ علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت خاص سے نوازا ہے اور اپنی نعمت معرفت سے انہیں مالا مال کیا ہے' جو ہمہ وقت اس کی ذات میں گم اور مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ کائنات کے ہر ذرے میں چشم قلب سے وجہ اللہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ پر اللہ کا تصور اس طرح غالب ہے کہ کائنات میں کسی غیر کی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ ہر شئی میں تجلی حق رقصاں نظر آتی ہے۔ ولمحہ یسیر میں بھی کسی غیر کے تصور وخیال کو سبب ہلاکت وبربادی جانتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو دنیا اولیاء اللہ سے یاد کرتی ہے۔ یہ نبی تو نہیں ہوتے لیکن ان کی زندگی نبی جیسی ضرور ہوتی ہے۔ وہ نبی کے اتباع میں زندگی گزارتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بغیر اتباع نبی کے حق تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا کسی عمل صالح کی بجا آوری خلاف طریقۂ رسول ونبی باعث ہلاکت جانتے ہیں سہ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ولی کی تعریف میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔

قیصری شرح فصوص ابن عربی کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔ کہ الولیؒ ھوالفانی فی اللہ الباقی بہ ولی وہ ہے' جو ذات الٰہی میں گم ہو اور اسی سے باقی ہو۔

متکلمین کہتے ہیں کہ ولی وہ ہے جس کے اعتقاد صحیح مبنی بر دلائل ہوں اور اعمال صالحہ شریعت مطہرہ کے مطابق بجالائے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' ولی وہ جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ اور حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو الذین آمنوا وکانوا یتقون کا پورا پورا مصداق ہو۔

حاصل یہ کہ ایک ولی کی زندگی اسوۂ حسنہ کے سانچے میں پوری پوری ڈھلی ہوتی ہے اور اسکی نگاہوں سے من یطع اللہ ورسولہ اور ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کی حقیقت کبھی اوجھل نہیں ہوتی اور اس کو مقصود حقیقی تک پہنچنے کا واحد ذریعہ یقین کرتا

ہے ۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قربیت حق کیلئے احکام شرعیہ کی بجاآوری لازم نہیں ۔ یا وہ حضرات جو طریقت کی چند باتیں جان کر یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ان پر اتباع لازم وواجب نہیں، شاید وہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ کل حقیقۃ ردتھا الشریعۃ فھی زندقۃ یعنی ہر وہ حقیقت جو شریعت کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے ۔ حضرت قربی رح میزان العقائد فصل سیوم صفہ ۲۳ میں فرماتے ہیں کہ :- 'ولی ہرچند بمراتب ولایت رسد از وی امر ونہی ساقط نمی شود" یعنی ولی ہرچند کہ ولایت کے مرتبے میں پہونچتا ہے اس سے امر و نہی ہرگز ساقط نہیں ہوتا ہے ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

یہاں پر یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں، جو یہ کہتے ہیں کہ امتی اعمالِ صالحہ کی بجاآوری اور دن رات کے مجاہدہ و ریاضتِ شاقہ سے مرتبۂ نبوت کو پا سکتا ہے ۔ یہ ان کا محض وہم و گمان ہے، جس کو حقیقت سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے ۔ اس لئے کہ نبوت و رسالت کوئی کسبی شئے نہیں ہے، جسے مجاہدہ اور ریاضت سے ذکر و فکر سے کوئی حاصل کر لے ۔ اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ جانتا ہے کہ رسالت کو کہاں رکھے، منصب رسالت و نبوت وہبی شئے ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے ازل ہی میں اپنے بندوں کا انتخاب فرمالیا ۔ اور دنیا میں معصوم مبعوث فرمایا اور بلا کسی مجاہدہ و ریاضت کے اس سے متصف فرمایا جیسا کہ کتب عقائد وغیرہ میں مذکور ہے ۔ صاحب بحر المعانی ولایت و نبوت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :- ہیچ ولی بمرتبۂ نبوت نتواں رسید، کوئی ولی مرتبۂ نبوت تک نہیں پہنچ سکتا ۔ حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ جواہر السلوک فائدہ صفہ ۲۵ میں طور ولایت اور طور نبوت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "ہر یکے از طور ولایت و طور نبوت، احکام و خواص جداگانہ دارد، ارباب شہود بنور ربوبیت و تائید روح القدس دیدہ اند کہ نہایات عقلاء بدایات اولیاء و نہایات اولیاء بدایات انبیاء"۔ یعنی طور ولایت اور نبوت سے ہر ایک جداگانہ احکام و خواص رکھتے ہیں ۔ ارباب شہود نے نور ربوبیت اور روح القدس کی تائید سے مشاہدہ کیا ہے کہ عقلاء کی انتہا اولیاء کی ابتداء اور اولیاء کی انتہا انبیاء کی ابتدا ہے ۔ نیز آگے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"پس ہرچہ ولی را از انواع علوم مکاشفہ مبذول بود نبی را حاصل باشد ولا نیعکس"

یعنی جو کچھ کہ علوم مکاشفہ کی قسموں سے اولیاء پر درجہ ولایت پر فائز ہونے کے بعد افاضہ ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کو وہ پہلے ہی سے حاصل ہوتا ہے اور ایسا نہیں کہ جو چیزیں انبیاء پر افاضہ کی جا رہی ہیں وہ اولیاء کو حاصل ہوں ۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :- نھایات الصدیقین اول احوالی الانبیاء یعنی، صدیقین کے مراتب کی جو انتہا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی پہلی منزل ہے ۔

جس طرح خلاقِ عالم نے انبیاء علیہم السلام کو ایکدوسرے

پر فضیلت دی ہے۔ اسی طرح اس نے اپنے اولیاء کے درمیان بھی یہ اصول جاری رکھا ہے، اور ان کیلئے بھی فضیلت و بزرگی کے مختلف درجے مقرر کیا ہے۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز جواہر السلوک، فائدہ ۲۶ صفحہ ۱۴۲ میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ۔ عامہ میں عام مومنین شامل ہیں اور خاصہ میں بعض ایسے ہیں جن کے اندر کسی قسم کی زیادتی اور کمی نہیں ہوتی ہے اور قیامت تک ہر زمانے میں علی سبیل البدل قائم ہیں اور بعض ان میں ایسے بھی ہیں جن میں تجلی الٰہی کے ظہور و خفا کی وجہ سے کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے اور حضرت شیخ داؤد قیصری رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ شرح قصیدہ فارضیہ کے فصل ثانی مقصد ثانی میں اس پر بحث کرتے ہوئے اس کی تقسیم عامہ اور خاصہ میں کی ہے۔

عامہ میں جملہ مومنین شامل ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے کفر کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا۔ اور خاصہ کے بارے میں کہتے ہیں، والخاصۃ ھو الفناء فی اللہ سبحانہ ذاتا وصفۃ وفعلا فالولی ھو الفانی فی اللہ القائم بہ الظاہر باسمائہ وصفاتہ تعالیٰ پھر خاصہ پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں فرق مراتب ہیں بعض اولیاء وہ ہیں جن کو عنایت الٰہیہ نے بغیر کسی ریاضت و مجاہدہ کے اپنی قربت سے نوازا ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہدایت کے لیے مقرر فرمایا ہے اور نظام عالم کی ذمہ داری عطا کی ہے۔ یہ حضرات محبوبیت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ انہیں کو غوثیت، قطبیت وغیرہ کے درجوں پر فائز کیا جاتا ہے۔ ہر زمانے میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) سے زائد اولیاء کرام قیامت تک دنیا میں موجود رہیں گے۔ اور چالیس ابدال جن کی برکت سے روئے زمین پر باران رحمت کا آسمان سے نزول ہوتا ہے اور چار اوتاد اور ان کے علاوہ نقباء، نجباء، رجال الغیب وغیرہ عالم کے گوشے گوشے میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں کہ مجاہدہ اور ریاضت کے بعد عنایت الٰہی سے قرب حق تک پہونچتے ہیں گرچہ یہ حضرات محبوبیت کے مقام پر فائز نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن ہدایت خلق کی ذمہ داری ان کو بھی سپرد کی جاتی ہے حسب مراتب اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو عالم میں تصرفات کی قدرت عطا فرمائی ہے اور یہ باذن الٰہی عالم میں تصرف کرتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ قصیدۂ غوثیہ میں فرماتے ہیں۔ ؎

وولّانی علی الاقطاب جمعا
فحکمی نافذ فی کل حالی

یعنی اور دنیا کے تمام اقطاب و اولیا کا مجھے حاکم اور والی بنایا۔ پس میرا حکم ہر حال میں ہر شخص پر واجب التعمیل ہے اور واجب الاطاعت ہے۔

وما منها شھور او دھور
تمر وتنقضی الا اتالی

یعنی، جو زمانے دنیا میں گزرتے ہیں اور جو حالات دنیا والوں پر آتے جاتے رہتے ہیں ان میں سے کوئی زمانہ اور کوئی حالت ایسی نہیں ہے جو میرے پاس نہ حاضر ہوتی ہو۔

ویخبرنی بما یاتی ویجری

ودتعلمنی فاقصرعن جدالی

یعنی اور وہ ماحول اور زمانہ میرے ہاں حاضر ہو کر مجھے دنیا میں اس وقت ہونے والے اور آئندہ جو کچھ ہوگا اس کی خبر دیتے ہیں۔ پس جو شخص مجھے نہیں جانتا ہے، وہ کیوں مجھ سے بحث کرتا ہے۔

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی
ووقتی قبل قلبی قد صفالی

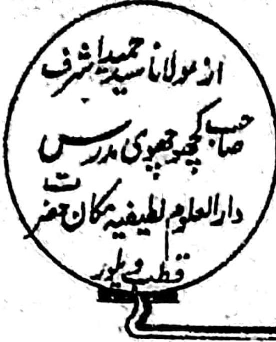
یعنی اللہ کے تمام شہر اور زمین میرا ملک ہے میرے زیر فرمان ہے اور دنیا پر میری یہ حکومت میرے قلب کے آئینہ ہونے سے پہلے ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے دریا کے راستہ سے جا رہے تھے۔ اس کشتی میں ایک تاجر بھی تھا جو موتیاں ساتھ لے جا رہا تھا۔ اتفاقاً ایک موتی اس میں سے گم ہو گیا اور لوگ اسے تلاش کرنے لگے۔ حضرت ذوالنون رح فرماتے ہیں، اس کشتی کے ایک گوشہ میں ایک شخص تھا جو صورتاً خستہ حال معلوم ہو رہا تھا اور اس کے جسم پر بوسیدہ کپڑے تھے۔ لوگوں نے اسی پر شبہ کرتے ہوئے الزام لگایا کہ اسی نے موتی لیا ہے۔ اس وقت اس نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا "یا سمیع یا بصیر یا علیم"، جب دعا ختم ہوئی کثیر مچھلیاں کشتی کے اطراف جمع ہو گئیں۔ ہر ایک کے منہ میں ایک موتی تھا شخص مذکور نے موتی لے کر تاجر کی جانب بڑھا دیا اور کشتی سے اتر کر پانی پر چلنے لگا یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔

علاوہ ازیں بہت سے شواہد اور واقعات اس کے ثبوت میں کتابوں میں موجود ہیں، جسکی اس مختصر سی جگہ میں گنجائش نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من کان للہ کان اللہ لہ



کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

دُنیا کی زندگی اور یہاں کا قیام و قرار چند روزہ ہے، یہاں کسی شئی کو بقا و حیات نہیں۔ دنیا کی زندگی کا نقشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے، کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل، یعنی دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو گویا تم ایک مسافر ہو، یا ایک راستے سے دوسرے راستے کی طرف پار کرنے والے ہو جس طرح حالت مسافرت میں مسافر اپنے عیش و آرام، راحت و سکون کا کچھ زیادہ اہتمام و خیال نہیں ہوتا اور یہ سوچتا ہے کہ بحالت مسافرت کی آرام و تکلیف محض وقتی اور عارضی ہے چند دن کے بعد اپنے مکان پر آرام و سکون حاصل ہوگا، اسی طرح دنیا کی اس پوری زندگی کو مسافرت کی زندگی کہا گیا ہے اور قرآن کریم میں اس پوری زندگی کو لہو و لعب کہا گیا ہے اور اصلی و دائمی زندگی آخرت کی زندگی کو بتایا گیا ہے وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔ اس لئے عقل کا بھی تقاضا ہے کہ جو ہماری دائمی اور ابدی زندگی ہے۔ اس کے لئے راحت و آرام کا

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

انتظام زیادہ کریں کہ اگر اس زندگی میں مصیبتوں کی بھٹی میں تنہا اور سلگنا پڑا تو اس سے بڑی بدبختی، حسرت و ناکامی اور کوئی ہو نہیں سکتی۔ کہ آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار برس کے برابر ہے۔ ان یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون وہاں کے ایک دن کی سختی و مصیبت کے مقابلہ میں یہاں کی ساری زندگی کا عیش و آرام کالعدم معلوم ہوگا۔ آخرت کے ایسے زبردست خطرہ اور آفت سے بچانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستور العمل اور اصولی تدبیر بتائی ہے، کہ دنیا سے محبت نہ کی جائے بلکہ دنیا کی محبت کو تمام گناہوں کی اصل اور جڑ فرمایا گیا ہے۔ حب الدنیا رأس کل خطیئة محبت دنیا یہ ہے کہ دنیا کی وجہ سے آخرت کی پرواہ اور خیال نہ کیا جائے، جیسا کہ آیۂ کریمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے

كلا بل تحبون العاجلة کے بعد تذرون الآخرۃ کے ذکر کرنے سے معلوم ہوگیا کہ محبت دنیا وہی ہے جس میں

آخرت کو ترک کر دیا جائے۔ لہٰذا اگر آخرت کو ترک نہ کیا جائے اور دنیا سے بھی بقدر ضرورت تعلق ہو تو یہ ہرگز حبّ دنیا میں داخل نہیں ہے۔

اس مقام میں یہ شبہ نہ ہو کہ اس آیت کے مخاطب کفّار ہیں۔ لہٰذا ہم اس وعید میں داخل نہیں۔ اس لئے کہ علمائے اصول کے نزدیک یہ طے ہو چکا ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص مورد و محل کا۔ تو جن اسباب و علل کی وجہ سے کفار کو مخاطب کیا گیا ہے اگر وہ اسباب ہمارے اندر بھی ہیں تو ہم بھی اس وعید کے مستحق ہونگے کیونکہ علّت مشترک ہے۔

بعض حضرات آیۂ کریمہ میں تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں محبون و تذرون سے مطلق محبت دنیا اور ترکِ آخرت مراد نہیں ہے۔ بلکہ ایسی محبتِ دنیا کہ جو اسکے بقا و دوام کے اعتقاد کے ساتھ ہو اور ایسا ترکِ آخرت کہ جو اسکی نفی و عدم کے اعتقاد کے ساتھ ہو۔ اور یہ حال مسلمانوں کا نہیں ہے کیونکہ مسلمان تو بحمداللہ دنیا کے فانی اور آخرت کے باقی و دائم ہونے کا یقین و اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ حال تو صرف کفار کا ہے کہ بعض ان میں سے آخرت کا بالکل یقین نہیں رکھتے۔ جیسے دہریہ۔ اور بعض آخرت کی نفی کے ساتھ عقیدہ تناسخ کی وجہ سے دنیا کو باقی اور دائم بھی کہتے ہیں۔ جیسے اہل ہنود۔ لہٰذا اس آیت کے مصداق صرف کفار ہیں۔ ہم اگر دنیا سے محبت رکھیں اور اسکی وجہ سے جو بھی فسق و فجور اور خلافِ شرع حرکات کریں، پھر بھی ہم آیت کریمہ کی وعید میں داخل نہ ہونگے۔

تو جواب میں کہا جائے گا کہ آیت کریمہ میں محبون و تذرون کا لفظ مطلق ہے۔ اس میں محبت مع الاعتقاد اور ترک مع الاعتقاد کی قید بلا دلیل ہے اور قرآن کے مقصد کا ابطال ہے۔ البتہ اگر شریعت میں ترک عمل کی اجازت و اباحت ہوتی کہ اگر عقیدہ صحیح ہے تو تمہارے عمل کیسے ہی ہوں کوئی حرج نہیں۔ تب اس آیت میں اور دیگر نصوص میں رفع تعارض کیلئے اس قید کا لگانا صحیح ہوتا۔ لیکن شریعت میں اعمال کی خاص اہمیت ہے۔ حتیٰ کہ بعض ائمہ نے اعمال کو جزوِ ایمان کہا ہے یعنی اعمال کی نفی سے ان کے نزدیک ایمان کی نفی ہو جاتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اگرچہ اعمال، ایمان کا جزو نہیں ہے لیکن مکمّل اور متمّم ایمان ضرور ہے یعنی اعمال کے بغیر ایمان ناقص رہتا ہے۔ بہرحال اعمال کا ایمان سے ایک مضبوط ربط و تعلق ہے کہ جسکے بغیر اگر ایمان کی دیوار منہدم نہیں ہوتی ہے۔ تو قریب الانہدام ضرور ہو جاتی ہے لیکن یہ اسوقت ہے کہ اعمال کا ترک بطور استحصال یا استخفاف نہ ہو ورنہ بالاتفاق کفر ہے۔ اب فیصلہ اسطرح ہوگا کہ اگر اوامر کا ترک اور معاصی کا ارتکاب اس کا طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ نہ توبہ ہے، نہ ندامت ہے، نہ استغفار ہے تو یہ احکام شرع کا استخفاف ہے اور یہ کفر کی حد ہے۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ خلاف شرع کوئی فعل صادر ہو جاتا ہے۔ لیکن فوراً نادم و تائب ہوتا ہے۔ قضا و کفارہ وغیرہ سے

اس کی تلافی کر دیتا ہے تو یہ صاحب ایمان ہے۔

اصل گفتگو یہ تھی کہ جب اعمال شرع میں اہم اور مقصود ہیں، ان کے ترک کی اجازت نہیں۔ تو آیت کریمہ کو کسی قید کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں ورنہ اس کا مقصود باطل ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجزائے مطلق علی الاطلاق کا قاعدہ ہر جگہ نہیں بلکہ اس مقام پر ہے کہ جہاں مطلق کو اطلاق پر رکھنے میں کسی دوسری آیت یا حدیث سے تعارض نہ ہو۔ اور اگر تعارض ہو گا تو مطلق اپنے اطلاق پر نہ رہے گا، بلکہ وہاں قید کا لگانا ضروری ہو گا۔

اس قدر گفتگو سے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ کے مخاطب تمام وہ لوگ ہیں جن کے اندر حب دنیا کی صفت پائی جاتی ہے۔ البتہ ان کے مراتب مختلف ہیں۔ جس درجہ کی محبت ہو گی اس درجہ کی ملامت بھی اس پر مرتب ہو گی۔ حب دنیا کا آخری درجہ کفر ہے۔ اس پر ہمیشہ ہمیشہ کی سزا مرتب ہو گی۔ اسی طرح مؤمنین محبت دنیا کے جس درجہ میں ہونگے ان سے ویسا ہی معاملہ ہو گا۔

حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے تین قسم کے لوگوں کو پہلے لایا جائے گا علماء، اغنیاء، شہداء اور ان سے سوال و جواب ہونیکے بعد ان کو جہنم میں بھیجا جائے گا۔ اگرچہ پہلے گروہ کا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اپنی زندگی قرآن و حدیث کی تعلیم و تبلیغ میں بسر کی تھی۔ ہر مجلس و جلسہ میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائے گلبانگ سے دلوں کو مسحور و مسخر کیا تھا اور خوب خوب داد تحسین و آفرین حاصل کیا تھا۔ دوسرا گروہ اغنیاء کا ہے۔ اس نے بھی اپنی گاڑھی کمائی اللہ کی راہ میں خوب خرچ کی تھی۔ تیسرا گروہ شہداء کا ہے جس نے اپنی جان عزیز اللہ کی راہ میں خرچ کر کے مرتبۂ شہادت حاصل کیا تھا۔ اتنی شاندار خدمات اور عظیم الشان کارناموں کے باوجود ان لوگوں کو آخرت میں نہ کوئی اجر و ثواب ملا اور نہ صلہ و انعام بلکہ یہی سب کام جہنم میں پہنچانے کا سبب ہو گئے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ سب حبّ دنیا کے لئے تھا۔ کسی کو اپنی بڑائی و بزرگی، عظمت و تقدس کا سکہ جمانا تھا، کسی کا کام ریا و نمائش کیلئے تھا۔ کسی کو اپنی شہرت و ناموری مطلوب تھی۔ بہرحال کوئی اپنی نیت میں مخلص نہ تھا اور کسی کی غرض رضاء الٰہی نہ تھی۔ یہ حدیث معتبر اور مستند احادیث میں ہے۔ کوئی قصہ یا افسانہ نہیں ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں ہمیں اپنے اعمال و سیّآت کا جائزہ لینا چاہیے۔ اور اگر ہماری نیتیں اور اغراض غلط رُخ پر ہیں تو فوراً سنبھل جانے اور اپنی نیتوں کو صحیح رُخ پر لگا دینے کی ضرورت ہے ورنہ جو حشر ہونے والا ہے ظاہر ہے۔ کوئی نیکی کچھ بھی کام نہ آئیگی۔

آج اگر غور کیا جائے تو شاید ہی مسلمانوں کا کوئی طبقہ ایسا ہو جو حب دنیا سے خالی ہو۔ علماء، طلباء، واعظین و مقررین سب کا تقریباً ایک ہی حال ہے۔ امام غزالی رح

نے اپنے زمانہ میں جب دیکھا کہ لوگ علم وفقہ کی تحصیل، قضا و افتاء کے بڑے بڑے عہدہ ومنصب کے حصول کے لئے کر رہے ہیں تو آپ نے اس کی تحصیل کو ناجائز قرار دیا۔ اور ایسے علماء کی سخت مذمت کی، اس لئے کہ مقصود ان کا حصول دنیا تھا، اور آج تو یہی ہوس ہمارے ہر طبقہ کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی تمام کوششوں اور علم وعمل کا ثمرہ ومعاوضہ دنیا ہی میں وصول کر لینا چاہتے ہیں۔ آخرت کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید غالب کا یہ شعر انہیں کیلئے تھا۔

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

اگر اس وقت امام غزالی ہوتے تو ان علماء کے متعلق کیا فتوے صادر کرتے آپ سمجھ سکتے ہیں لیکن موجودہ علماء امام غزالی کو خود ہی کافر بنا کر رکھ دیتے اور امام غزالی کی کچھ نہ چلنے پاتی۔ جس دنیا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار اور اس کے طالب کو کتا فرمایا تھا، اسکے ساتھ ہمارا تعلق یہ ہے کہ دین کے نام اور دینداری کے پردہ میں خواہش نفس اور حصول دنیا کے لئے ہم سب کچھ کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ تکفیر و تضلیل سے بھی باز نہیں رہتے۔ اور اس کے باوجود تقویٰ و تقدس کے واحد ٹھیکیدار بنے رہتے ہیں۔ گویا حکومت الٰہیہ کی باگ ڈور اور جنت و دوزخ کے مالک و مختار یہی لوگ ہیں کہ جسکو جس جگہ چاہیں ڈال دیں۔ یہ تو بالکل یہود و نصاریٰ جیسا حال کہ وہ بھی اپنے کو "نحن ابناءُ اللہ واحبّاءہٗ" کہتے تھے اور جنت و دوزخ وغیرہ، ہر چیز کا مالک ومختار اپنے کو سمجھتے تھے (امیر اروئے سخن کسی خاص جماعت کیطرف نہیں ہے) بلکہ قریب قریب سب جماعتوں کا یہی حال ہے سوچنے کی بات ہے کہ جو دین عالمگیر مذہب کی حیثیت لے آیا تھا اور اس دین کے ماننے والے اتنے کثیر ہوں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے مقابلہ میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کرینگے، اس کو ان بندگان نفس نے جماعتوں اور ٹولیوں میں تقسیم کر دیا ہے کہ جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ آج تمام دنیا مسلمانوں کو تعداد و کثرت کے لحاظ سے دوسری اقوام کے مقابلہ میں پہلا یا دوسرا نمبر دیتی ہے اور ہمارے موجودہ علماء اور مفتیان کرام مسلمانوں کو کوئی درجہ دینے کو تیار نہیں اس لئے کہ ان کے مسلک کے رو سے سوائے ان کی جماعت کے اور کہیں دنیا میں مسلمان کا وجود ہے ہی نہیں، تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں گنتی کے چند آدمیوں پر فخر کریں گے اور یہی آپ کی کثیر اُمت ہے۔ سعدی صاحب نے جو کہا۔

گر تو قرآں برین نمط خوانی
ببری رونقِ مسلمانی

تو کیا یہ اسلام و قرآن کی رونق و عظمت کو ختم کرنا نہیں ہے؟ برین عقل و دانش بباید گریست

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدّنیا جیفۃٌ وطالبھا کلاب۔ علمائے محدثین نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے طالب دنیا کو کتے سے تشبیہ دیا کوے سے نہیں حالانکہ کوا بھی کتے کی طرح مردار کھاتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوا مردار کا صرف گوشت ہی کھاتا ہے ہڈیاں چھوڑ دیتا ہے مگر کتا مردار کی ہڈی بوٹی سب نگل جاتا ہے۔ یہی حال عاشق دنیا کا ہے کہ وہ دنیا کی ہر چیز پہ جان دیتا ہے۔ کچھ بھی نہیں چھوڑتا۔ اسی لئے آپ نے طالب دنیا کو کتا فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کوا مردار پہ دن کو جھپٹتا ہے رات کو چھوڑ دیتا ہے ۔ مگر کتا دن اور رات برابر کسی وقت بھی مردار کے پاس سے نہیں ہٹتا یہی حال دنیا دار کا بھی ہے کہ وہ مردار دنیا کو ہر وقت اپنے سینہ سے لگائے رکھتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کوا مردار دیکھ کر شور مچاتا ہے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی بلا لیتا ہے اور اسکو سب ملکر کھاتے ہیں مگر کتا اپنے دوسرے بھائیوں کو قریب بھی نہیں آنے دیتا۔ اسی طرح دنیا دار بھی دنیا کا اکیلا مالک بننا چاہتا ہے کسی کی بھی شرکت گوارا نہیں کرتا ۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ کوا دوسرے مردہ کوے کا گوشت نہیں کھاتا اور کتا دوسرے مردار کتے کا گوشت بھی کھا جاتا ہے۔ اسیطرح دنیا دار اپنے بھائی کا بھی مال اُڑا لینے میں دریغ نہیں کرتا۔ اس کامل مماثلت و مشابہت کیوجہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے طالب دنیا کو کتا فرمایا۔

یہ تمام وعیدیں اور لعنتیں اُس وقت ہیں کہ جب دنیا ہی ہمارا مقصود ہو جائے۔ آخرت کی جوابدہی کا کوئی احساس نہ ہو اور ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کرنے سے کوئی باک نہ کریں۔ عمرو سعد کو جب یزیدی فوج کی سپہ سالاری دی گئی تو اس کے بعض مخلصین و ناصحین نے اُسے بہت سمجھایا اور منع کیا جس سے وہ پس و پیش میں پڑ گیا۔ ایک طرف حکومت کرنے کا حرص تھا اور دوسری طرف قتل امام حسین علیہ السلام کا جرم و گناہ تھا۔ آخر کار کافی سوچ و فکر کے بعد اس نے کچھ اشعار نظم کئے جس کا مفہوم یہ ہے "کہ میں دو امور میں متفکر ہوں اور نہیں جانتا کہ ملک رَے کو چھوڑوں یا قتل جناب امام حسین علیہ السلام کا گناہگار بنوں۔ بس اگر وہ لوگ سچ کہتے ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ ہر ایک توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہوتی ہے تو میں خدا کے دربار میں توبہ کروں گا اور اگر جھوٹے ہیں تو دنیائے دنی کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گا۔ آگاہ ہو کہ دنیا ایک نقد خوبی ہے اور عقلمند آدمی نقد کو نسیئہ کے عوض فروخت نہیں کرتا۔ کسی نے فارسی نظم میں عمرو سعد کے اشعار کا ترجمہ کیا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں:-

سزائے قاتل او دوزخ است می دانم
کہ ایں چنیں عمل آرد خدائے را بہ غضب
ولے چوں می نگرم در حکومت آرائی
ہمیں رود ز دلم خوف نار ذات لہب

بہرحال عمرو سعد اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ ایک بدترین اور شنیع فعل ہے اور خدا کے یہاں اسکی بازپرس ہوگی لیکن اسکے باوجود حرص دنیا کی چادر اوڑھ لی اور

حکومت رہنے کے طمع کی پٹی آنکھوں پہ باندھ لی اور قیامت تک کیلئے مومنین کی لعنت کا مستحق اپنے کو بنالیا اور قیامت میں جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے۔ تو وہی حرص دنیا کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر ہم بھی جو چاہتے ہیں کرتے جارہے ہیں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ ہم غریب نفس کا شکار ہو کر یہ سب کچھ دین کے نام پہ کر رہے ہیں۔ عاقبت کی خبر خدا جانے، اللہ تعالیٰ توفیق نیک عطا فرمائے۔

لیکن اگر دنیا کا حصول حدودِ شریعت کے اندر ہو، ہمارا کوئی قدم خلافِ شرع نہ ہو حقوق اللہ و حقوق العباد کا پورا پورا لحاظ و پاس ہو تو نہ یہ دنیا ہے اور نہ قابلِ ملامت و مذمت ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ نے فرمایا ؎

چیست دنیا؟ از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اگر نقرہ، طلاء، دنیوی ساز و سامان ہو تو دل اس میں مبتلا و گرفتار نہ ہو تو ایسے لوگوں کے نزدیک اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہی ہوگا بلکہ ہر حال میں ان کے قلب کی کیفیت یکساں ہوگی۔ زر و جواہر تو معمولی چیز ہے۔ کاملین اہل اللہ نے تو سلطنت و حکومت کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی ہے۔

حضرت قطب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ملکہ وکٹوریہ نے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا اور وہ بھی دو چار ماہ کے لئے نہیں بلکہ تا حیات اور یہ بھی خیال میں رہے کہ اُس زمانہ کا سو روپیہ موجودہ زمانہ کے ہزار روپیہ کے برابر تھا، لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور کہہ دیا کہ تم اسلام لاؤ یہی تمہارا سب سے بڑا تحفہ ہے۔ ایک عظیم سلطنت کی ملکہ کہ جسکی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا اسکی پیشکش کو اس طرح استغناء کے ساتھ رد کر دینا یہ سچے وارث اور نائب رسول ہی کا کام ہو سکتا ہے جسکے دل میں نفس پروری اور حب دنیا کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ جسکے دل میں دین کا درد، اور ملت کا غم تھا اور جسکی ہر خواہش اور کوشش حصولِ رضائے باری کیلئے وقف تھی، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اپنی رحمتوں اور برکتوں کا گہوارہ اور خزینہ بنائے اور ہمیں بھی انہیں نفوسِ قدسیہ کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اگر ہم دنیا داروں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہوتا تو ہم اس کو شاید جنت کی نعمت سے کم نہ سمجھتے اور ملکہ کی تعریف و تحسین اور مدح سرائی میں رات دن ایک کر دیتے گویا جو چیز ہمارے نزدیک معراج کمال ہے وہ اہل اللہ کی نظر میں حقیقی زوال و نکال ہے۔ یہ ہے ہمارے تخیل و نقطۂ نظر کا عظیم فرق۔ سعدیؒ صاحب کا شعر بالکل ہمارے حال کے مطابق ہے۔ شعر

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

تو جس راستہ پر ہم چل رہے ہیں یہ کعبہ کا راستہ تو نہیں ہے، ہاں ترکستان یا چین و جاپان کا راستہ ہو سکتا ہے۔

حضرت سلیم چشتی علیہ الرحمہ کا واقعہ بھی ہمارے لیے

درس عبرت ہے۔ ایک روز آپ پیر پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے، کہ بادشاہ مع وزیر کے آیا، بادشاہ کو دیکھکر آپ اسی طرح پیر پھیلائے بیٹھے رہے۔ وزیر کو آپ کا یہ انداز ناگوار گزرا۔ اس نے کہا کہ حضرت پیر پھیلا کر بیٹھنا کب سے سیکھ لیا ہے، فرمایا کہ جب سے ہاتھ سمیٹ لیا ہے۔ وزیر نے کہا کہ بادشاہ اولی الامر میں داخل ہے۔ اسکی تعظیم آپ کو کرنی چاہیے، فرمایا بادشاہ تمہارے اولی الامر میں ہوگا، میرے تو غلام کا غلام ہے۔ وزیر نے کہا، کہ حضرت! یہ کیسے، فرمایا کہ ہوا وہوس میرے غلام ہیں اور بادشاہ حرص وہوس کا غلام ہے۔ لہٰذا میرے غلام کا غلام ہوا۔

یہ خیال نہ ہو کہ اس سے تو کبر ونخوت کا اظہار ہوتا ہے کہ اپنے مقابلہ میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے۔ حاشا وکلّا ایسی بات ہرگز نہیں۔ ان حضرات کے دلوں میں کبر ونخوت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے "لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر" یعنی جسکے دل میں ایک ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائیگا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرّۃ من ایمان یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہے اُسے دوزخ سے نکال لو۔ ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ذرہ بھر بھی کبر جس دل میں ہے اسمیں ذرہ بھر ایمان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ذرہ بھر ایمان جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر بھی کبر نہیں ہوسکتا۔

یہ دونوں صفتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تو اگر ان نفوس قدسیہ میں کبر کا وجود تسلیم کرلیا جائے تو ان سے صفت ایمان کی نفی لازم ہوگی حالانکہ یہ ایمان واسلام کی وہ جامع وکامل شخصیات ہیں کہ انہیں سے دولتِ ایمان دوسروں کو ملتی ہے تو اگر یہ خود اہل ایمان نہ ہونگے تو دنیا میں پھر اہل ایمان کہاں سے آئیں گے۔

صفت کبر کا اقتضا یہ ہے کہ انسان اپنے مقابلہ میں دوسرے کو کمتر وحقیر سمجھے۔ حضرات اہل اللہ کبھی دوسروں کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ خود اپنے کو دوسروں سے کمتر وکہتر سمجھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق کے اقوال منقول ہیں کہ انہوں نے تمنا کی کہ کاش میں پرندہ ہوتا۔ کاش میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا تاکہ قیامت کے حساب وکتاب کا کوئی خوف نہ رہتا۔ علاوہ ازیں اپنے اپنے زمانۂ خلافت میں حاجتمندوں کی ضروریات خود یہ حضرات اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے، تو اگر ان میں اپنی بڑائی وبزرگی کا خیال واحساس ہوتا تو ایسا کیوں کرتے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی گئی۔ انہوں نے کہا سب سے زیادہ گنہگار میں ہوں شاید میرے نحوست قدم کی وجہ سے بارش نہیں ہورہی ہے، یہ کہہ کر شہر چھوڑ کر بیرون شہر روانہ ہوگئے اور بارش ہوئی۔

تو اپنی پستی وکمتری کا احساس وشعور ان کے دل کے گوشہ گوشہ میں ہوتا ہے اور درحقیقت یہی چیز ان کی عظمت وبلندی کا راز ہوتی ہے۔ حدیث قدسی ہے انا عند

المنکسرۃ قلوبھم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں ان کے قریب ہوں جنکے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ مخلوق کی بلاؤں اور جفاؤں سے ان کے دل شکستہ رہتے ہیں۔ پھر بھی یہ حضرات خلق اللہ کی بھلائی کے لئے دل سے کوشاں رہتے ہیں۔

تو یہ حضرات، سلاطین وخلفاء کا تحفہ تحائف جو قبول نہیں کرتے یا ان کے ساتھ استغنا وبے نیازی سے پیش آتے ہیں۔ یہ ازراہِ تکبر وترفع نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی مخلوق کی ہدایت وتنبیہ کے لئے ہوتا ہے کہ جس دنیا کو تم دل وجان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہو، وہ اس لائق ہرگز نہیں کہ اسکی وجہ سے انسان، خدا کے خوف اور آخرت کی جوابدہی کے احساس سے غافل ہوجائے۔ اس لئے ان کی نظروں میں یہ تمام دنیوی ساز وسامان بالکل ہیچ وحقیر ہوتا ہے اور ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی وقعت ان کے دل میں نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں میں سوائے محبوب حقیقی کے اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت
ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر آخر کہ بعدِ لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
مرحبا اے عشق، شرکت سوز رفت۔

خدا کی ذات اور اسکی ہستی کے سوا تمام چیزیں ان کے دل سے رخصت ہوجاتی ہیں، نہ کسی چیز کا کوئی وجود ہوتا ہے، نہ ان کی کوئی معنی وحقیقت، تو پھر دنیوی چیزوں کے لئے ان کے دل میں جگہ کہاں سے ہو۔

حاصل یہ کہ حضرات اہل اللہ خدا کے ہوجاتے ہیں یعنی تمام امور ومعاملات میں خدا ورسول کے احکام کے تابع وفرماں بردار ہوجاتے ہیں تو ساری خدائی ان کی تابع وفرماں بردار ہوجاتی ہے۔

حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے جنگل میں ایک شخص کو شیر پر سوار دیکھا، تعجب وحیرت سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے۔ آدمی اور شیر کی سواری؟ بزرگ نے جواب دیا تعجب کی کوئی بات نہیں!

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ پیچد نہ گردن ز حکم تو ہیچ

یعنی تم اللہ کے حکم سے منہ نہ موڑو، تو تمہارے حکم سے بھی کوئی چیز سرتابی نہ کریگی، یہ اسی اطاعت خداوندی کا ثمرہ ہے کہ کوئی چیز ان کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتی اور کائنات میں ہر جگہ ان کی حکمرانی کا سکہ چلنے لگتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں، حضرت عمرو ابن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ایک بار دریائے نیل خشک ہوگیا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ہر سال دریا خشک ہوجاتا ہے اور جب لوگ ایک کنواری خوبصورت لڑکی کو بناؤ سنگار کرکے اس میں ڈال دیتے ہیں تو پھر دریا جاری ہوتا ہے۔ حضرت عمرو ابن العاص نے یہ تمام مضمون حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں مفصل لکھ کر بھیجدیا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے دریا کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا من عبد اللہ عمر امیر المومنین الیٰ نیل مصر۔ اما بعد ان کنت تجری من قبلک فلا تجر، وان کان اللہ یجریک فاسأل اللہ الواحد القھار ان یجریک۔

یہ خط اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے دریائے نیل کے نام ہے، اے دریا اگر تو خود مختار ہے، اپنی مرضی سے بہتا ہے اور اپنی مرضی سے رُک جاتا ہے تو ہمیں تیری کوئی حاجت نہیں تو مت جاری ہو اور اگر تجھے اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، تو ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کی ہدایت کے مطابق اس خط کا دریا میں ڈالا جانا ہی تھا کہ دریا اس قدر جوش کے ساتھ جاری ہوا کہ کبھی اس سے پہلے جاری نہ ہوا تھا اور پھر آج تک کبھی خشک نہ ہوا اور ہمیشہ کے لئے اس رسم بد کا خاتمہ ہو گیا۔

تو یہ تمام بحر و بر میں ان کی حکمرانی اس لئے ہوتی ہے کہ پہلے یہ خدا کے محکوم و مطیع ہو جاتے ہیں، پھر اس کے بعد اُن کا یہ حال ہوتا ہے کہ: ؎

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

اسی سلسلہ میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بھی فرماں روائی کا حال سُن لیجئے، آپ فرماتے ہیں:-

وما منھا شھور او دھور
تمر و تنقضی الا اتالی

مطلب۔ جو زمانے دنیا میں گزرتے ہیں اور جو حالات دنیا والوں پر آتے جاتے رہتے ہیں ان میں سے کوئی زمانہ کوئی حالت ایسی نہیں ہے جو میرے پاس حاضر نہ ہوتی ہو۔ یعنی زمانہ اور اسکے حالات کا خدا نے مجھکو حاکم بنا دیا ہے۔

وتخبرنی بما یأتی ویجری
وتعلمنی فاقصر عن جدالی

مطلب اور وہ زمانہ اور ماحول میرے پاس حاضر ہو کر موجودہ اور آئندہ حالات کی خبر دیتے ہیں۔ پس جو شخص مجھکو نہیں جانتا وہ مجھسے بحث کیوں کرتا ہے۔

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی
ووقتی قبل قلبی قد صفالی

مطلب، خدا کا تمام شہر اور زمین میرے زیر فرمان ہے۔ اور دنیا پر میری یہ حکومت، ریاضت، مجاہدہ کرنے کے پہلے ہی سے ہے۔ یعنی پیدائشی حاکم وقت ہوں۔

تو اس قدر وسیع حکمرانی اسی لئے ہے کہ آپ وقت پیدائش ہی سے حکم شرع کے پورے پابند تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایام رمضان میں دن بھر آپ ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ تو جس کو جو کچھ ملا ہے وہ بارگاہ خداوندی کی بندگی اور غلامی کے بعد ہی ملا ہے۔ اگر ہم بارگاہ احکم الحاکمین کی غلامی و بندگی سے گریزاں و روگرداں ہیں تو ہمارے لئے کسی در پر پناہ و امان نہیں ہے خواہ وہ دھوتی و لنگوٹی والے ہوں یا ہیٹ و ٹائی والے۔

ہم کتنی ہی داد و فریاد کریں، کتنی ہی تجویزیں اور ریزولیوشن پاس کیا کریں نتیجہ سوائے ناکامی و محرومی اور ہر طرف سے ٹھوکر دھکا کھانے کے اور کچھ حاصل نہیں۔

جیسا سعدی رح صاحب نے کہا:-

عزیزے کہ ہر کز درش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے بوستاں میں ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت میں لگے رہتے تھے اور ذکر و عبادت کے علاوہ کسی چیز میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک دفعہ آواز آئی کہ کچھ بھی کرو، تمہاری عبادت قبول نہیں ہے۔ عام طور سے انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ جب اُسے اپنے عمل کا نتیجہ اور انجام معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں مجھے کوئی کامیابی نہیں ہوگی تو وہ شکستہ دل اور بددل ہو کر اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حسب دستور اپنے کام میں لگے رہے۔ اس واقعہ کی خبر ان کے ایک مرید کو بھی ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ جب وہاں قبول ہی نہیں ہے تو اس عبادت سے کیا فائدہ؟ انہوں نے کیا خوب جواب دیا کہ تمام حقیقت و معرفت کو اس شعر میں رکھ دیا ہے۔ شعر

توانی ازاں دل بپرداختن
کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

مطلب۔ قلب کو اسکی یاد ذکر و محبت سے خالی کر سکتے ہیں کہ جس کے بغیر گذر بسر ہو جانے کی امید ہو اور جب اس در کے سوا اور کوئی ماوی اور ملجا ہے ہی نہیں تو اب اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ اسی وقت رحمت خداوندی جوش میں آئی اور ارشاد ہوا:

قبول است گرچہ ہنر نیستت
کہ جز ما پناہ دگر نیستت

مطلب۔ چونکہ تمہارے لئے کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ہے۔ اس لئے تمہارے پاس جیسا بھی ہے اور جو کچھ بھی ہے مقبول ہے۔ اگر ایسی چیز کو ہم نے بھی اپنا دستور العمل اور نصب العین بنا لیا اور اس کا ہمیں یقین کامل ہو گیا کہ بارگاہ خداوندی کے سوا ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے تو آناً فاناً تمام غم کے پہاڑ اور مصائب کے بادل چھٹ جائیں گے۔ مسلمان خود اپنی قسمت و تقدیر کے مالک ہوں گے۔ زمین و آسمان کی تمام نعمتیں و برکتیں ان کے قدموں کے نیچے ہونگی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی باہمی عداوتوں اور کدورتوں کو دل سے نکال کر خدا کے حضور جھک جائیں اور تمام احکام میں اس کے مطیع و فرماں بردار ہو جائیں۔

اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ربنا ارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعلیحضرت قربیؒ اور خدمت دین

از
مولانا سید مصطفیٰ حسین بخاری
کرڈپوی (فاضل لطیفیہ)
جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین جامع شریعت و طریقت واقف اسرار ربّانی رکن الملّت والدین مولانا و مرشدنا حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؒ القادری قدس سرہٗ جن کو اللہ تعالیٰ نے قطب المدار یعنی غوثیت کے مقام پر سرفراز فرمایا تھا سنہ ۱۱۱۸ھ ۱۴ شعبان المعظم شب برات کے موقعہ پر بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر ابھی چار ہی سال کی تھی کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت سید شاہ عبداللطیف قاؒدری بیجاپوری قدس سرہٗ اپنے ہمراہ شاہ نور سرا، اور آرکاٹ ہوتے ہوئے ویلور تشریف لائے اور بارشاد حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہیں مقیم ہوگئے۔ جس کو آج دنیا حضرت مکان کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اور اسکے فیوضات و برکات سے مالا مال ہورہی ہے۔ حضرت قربیؒ قدس سرہٗ العزیز کا وصال ۱۲ رمضان المبارک سنہ ۱۱۸۲ھ کو ویلور میں ہوا اور حضرت مکان ہی کے احاطہ میں گنبد کے اندر مدفون ہیں۔

اس وقت آپ کی خدمت دین کی شمع فروزاں کا روح پرور ذکر لیکر بزم اللطیف میں شریک ہورہا ہوں۔ — بخاری

مدرس دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان
— ویلور —

ہم شاہانِ اسلام کی علم دوستی، علماء نوازی اور مذہبی رجحان کے ضرور قائل ہیں۔ اس کے باوجود ان کی ذات سے مذہب اسلام کو خاطر خواہ فائدہ نہ پہنچ سکا۔ اس کامیابی کا سہرا اُن برگزیدہ ہستیوں کے سر ہے جن کی نگاہ دنیاوی جاہ و حشم اور ثروت و حکومت پر نہ تھی بلکہ ان کے کانوں میں حکم رسول صلے اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو اٰیۃ کی آواز گونج رہی تھی اور رضائے خدا و رسول ان کا مطمح نظر تھا۔ اگر وہ ہستیاں نہ ہوتیں تو آج ہندوستان میں مسلمان گنے چنے رہ جاتے یا ان کی سلطنتوں کے ساتھ ہندوستان سے اسلام کا نام بھی ختم ہوجاتا۔ اہل ہند پر اللہ عزوجل کا عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنے چند مقرب بندوں کو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کیلئے مامور فرمایا۔ معدودے چند نفوس کی کد و کاوش کا نتیجہ ہے کہ قلیل مدت میں انتہائی سرعت کے ساتھ مذہب اسلام ہندوستان کے چپہ چپہ میں پھیل گیا۔

یہ وہ حضرات ہیں جنہیں اشاعت اسلام کی خاطر اس سنگلاخ اور یخ بستہ زمین میں سخت مشقتیں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حالانکہ ان کے پاس اسلحہ، بارود یا اور کوئی جنگی ہتیار نہیں تھے، بلکہ قرآنی اصول کو اپناتے ہوئے خلق عظیم جیسی تیغ آبدار لیکر اُٹھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔

تاریخ اسلام کے ان مایۂ ناز فرزندوں کو کبھی نہیں بھلا

سکتی۔ ان کے کارنامے زندۂ جاوید ہیں ۔ جب تک اس عالمِ خشک و تر پر مذہب اسلام موجود رہے ان کا نام بھی باقی رہے گا۔ ہر زمانہ کا مسلمان اپنے اسلاف کے عظیم الشان کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کرتا رہے گا۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ان مایۂ ناز شخصیتوں میں سے ایک مرشدنا و مولانا اعلیحضرت سید شاہ ابو الحسن قربی القادری قدس سرہٗ بھی ہیں جس وقت آپ نے اس ویرانے میں شعور کی آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ہر جانب سے کفر و بدعت کی تیرو تار آندھیاں چراغ اسلام کو گل کر دینا چاہتی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہر چہار طرف الحاد و زندقہ کا دَور دَورہ تھا۔ ناقص پیروں اور مشائخ کی گمراہ کن تعلیم انسان کو صحیح راہ سے ہٹا کر الحاد و زندقہ کے دہشت انگیز اور تباہ کن غار کی طرف لے جا رہی تھی۔ آپ نے اس چیز کی جانب اپنی توجہ مبذول فرمائی اور اسلام کی مقدس تعلیمات کے ذریعہ لوگوں میں ایک نیا شعور پیدا کیا اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لانے کی سعی بلیغ کی اور ان کی گمراہ کن تعلیمات کے پرخچے اڑا دئے۔ اس کے لئے آپ نے ہر قسم کے مصائب کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور ببانگ دہل حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دکھایا۔

آپ اور آپ کی اولاد امجاد رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی تعلیمات و تصنیفات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس خاندان نے اپنے کسی دَور میں بھی شریعت کو پس پشت نہیں ڈالا جیسا کہ کچھ لوگوں کا طریقہ رہا کہ وہ طریقت ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور شریعت کا کچھ پاس و لحاظ نہ کیا۔ اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن آپ کی تعلیمات اس سے ماوریٰ تھیں۔

اپنی تصنیف انیف لب السلوک میں فرماتے ہیں

"علم عقائد و فقہ بقدر ضرورت باید و در قول و فعل و خلق و عقیدہ تابع نقل باشد و آنچہ مجتہد خود اصول و فروع مقرر کردہ است بر آں عمل نماید و مقلد را نمی رسد کہ قدم از تبعیت مجتہد بیروں نہد کہ نجات دارین درہمیں طریق است و عقل را گذارد فرق ضالہ خصوصاً معتزلہ و شیعہ بہ تبعیت عقل راہ رو ضلالت گردیدہ اند۔"

یعنی بقدر ضرورت عقائد و فقہ کا علم ہونا چاہیئے اپنے قول و فعل خلق و عقیدہ میں شریعت کے تابع رہے اور جن اصول و فروع کو مجتہد نے قائم کیا ہے اس پر عمل پیرا رہے۔ مقلد کو یہ اختیار نہیں کہ اتباع مجتہد سے اپنے قدم کو باہر رکھے کیونکہ نجات دنیوی و اخروی اسی طریق میں ہے۔ اور عقل کی پیروی ترک کردے کیونکہ گمراہ فرقے خاص کر معتزلہ اور شیعہ عقل کی پیروی سے ضلالت میں پڑ گئے۔

اور پھر فرماتے ہیں :۔

"امر معروف و نہی منکر بقدر امکان نماید و ایں عمل ثمرات و برکات بسیار دارد کہ تمام مرتکب ایں کار خیر در احادیث مفتاح الخیر است"

یعنی جتنا ممکن ہو سکے امر بالمعروف نہی عن المنکر پر عمل پیرا رہے۔ یہ چیز انتہائی ثمرات و برکات کی حامل ہے۔ اس قسم

کے کارِ خیر کرنے والے کو احادیث میں مفتاح الخیر سے یاد کیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

" پیر کامل آنرا گویند کہ جامع اضداد باشد یعنی
شریعت با حقیقت وہمہ اوست باہمہ از وست
جمع نماید و در ظاہر و باطن تابع مجتہداں بود، و
در ہیچ امر مخالف امر ایشاں نباشد و انکار ایشاں
نہ نماید کہ کل حقیقۃ ردت لہا الشریعۃ،
فہی زندقۃ "۔

(یعنی) پیر کامل وہی شخص ہے جو جامع اضداد ہو، یعنی شریعت کو حقیقت کے ساتھ ہمہ اوست کو ہمہ از وست کے ساتھ جمع کرکے، اپنے ظاہر و باطن میں تابع مجتہد رہے۔ کسی کام میں ان کی مخالفت نہ کرے۔ کیونکہ ہر حقیقت جسکو شریعت نے رد کر دیا وہ زندقہ ہے۔

جن لوگوں نے شریعت و طریقت میں افراط و تفریط سے کام لیا وہ یکسر حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے کہ شریعت و طریقت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جیسا کہ ایک پھل کے لئے اسکا پوست مغز بے پوست کے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اور پوست بے مغز کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ بعینہٖ یہی نسبت شریعت و طریقت کے درمیان ہے۔ جو لوگ بغیر شریعت کے طریقت ہی کو اپنا کر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہ گمراہ اور لذت ایمان سے کوسوں دور ہیں۔ اور جو شریعت کو اپنا کر طریقت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ناقص الایمان ہیں، جیسا کہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ نے جواہر الحقائق میں فرمایا ہے۔

" در صورت عدم حصول شریعت ایمان و اسلام منتفی
و در صورت عدم حصول تصوف کمال ایمان منتفی "

اور اسی کی تائید حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ایک مکتوب سے ہوتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں، درخت لگانے سے مقصود حصول ثمر ہے جس وقت تک درخت کھڑا رہے گا اس سے پھل حاصل ہوتے رہیں گے۔ اگر جڑ میں کسی قسم کا خلل پیدا ہو جائے تو اس سے پھل بھی ختم ہو جاتے ہیں، یہ سراسر نادانی ہے کہ پیڑ کو کاٹ دیں اور پھل کی امید لگائے رکھیں۔

جتنا درخت کی نشو و نما اور اسکی دیکھ بھال کی جائیگی، درخت کثرت سے بار آور ہوگا۔ اگرچہ یہاں پھل ہی مقصود ہے، لیکن وہ درخت ہی کی فرع ہے۔ وہ شخص جو شریعت سے بے تعلق ہے اسکو اسی پر قیاس کریں لیکن وہ شخص جو شریعت کے ساتھ التزام رکھتا ہے، وہ صاحب معرفت ہے، جتنا شریعت کے ساتھ لزومیت میں زیادتی ہوگی اتنا ہی اس کی معرفت میں ترقی ہوگی۔ وہ جو شریعت کو بھلا بیٹھا ہے یکسر معرفت میں بے بہرہ ہے۔ اسی طرح حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ
وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ
وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ"

یعنی جس نے علوم فقہ سیکھی اور تصوف نہ سیکھا وہ فاسق ہو گیا اور جس نے تصوف سیکھا اور فقہ نہ سیکھی تو وہ زندیق ہو گیا۔

شیخنا وسیدنا حضرت سید شاہ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

" تَفَقَّهْ ثُمَّ اعْتَزِلْ "

یعنی پہلے علم فقہ حاصل کرو اور پھر خلوت اختیار کرو۔

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہوگیا کہ بغیر شریعت کے طریقت گمراہی ہے۔ اسی لئے حضرت قربی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اپنے مریدین اور متعلقین کو درستگی عقائد اور احکام شرعیہ کی تعمیل پر سختی سے پابند ہونے کا حکم دیتے، چنانچہ آپکے فرزند و خلیفہ سید السالکین حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی قدس سرہٗ ایک جگہ آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو خلاف شرع فعل کا مرتکب ہوتے دیکھتے تو اس کو سمجھاتے منع کرتے۔ اور رجوع الی اللہ ہونے کا حکم دیتے۔ اگر وہ باز نہ آتا تو اس سے اعراض کرلیتے اور متنفر ہو جاتے۔

نیز آپکی خصوصیات پر لطائف لطیفی میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ حضرت سید شاہ ابوالحسن ذرلی قادری قدس سرہٗ چند خاص اوصاف کے مالک تھے۔
اولؔ یہ کہ آپ احکامات شرعیہ کے جاری کرنے میں اپنی طاقت سے زیادہ سعی فرماتے۔
دومؔ یہ کہ آپ جامع ظاہر و باطن تھے اسی لئے اہل ظاہر و باطن نے آپکے ظاہر و باطن سے کمال استفادہ کیا۔
سومؔ یہ کہ جو بھی بات سنتے اس کو شریعت کے معیار پر رکھتے۔ اگر اس معیار پر وہ بات اتر آتی تو قبول فرمالیتے ورنہ اس سے اعراض کرلیتے۔
چہارمؔ یہ کہ مسائل تصوف کی تقریر نہایت ہی احتیاط اور سنجیدگی سے فرماتے تاکہ شریعت کے اندر کسی قسم کا خلل نہ آنے پائے۔

آپ کے ایک اور خلیفہ حضرت باقر آگاہؒ تحفۃ الحسن میں تحریر کرتے ہیں کہ آپ کے کثرت سے مریدین بنانے کا مقصد یہی تھا کہ لوگ حتی الامکان اوامر و نواہی کا خیال رکھیں۔

آپ نے اپنی تعلیمات میں اہل بدعات کا سختی سے رد فرمایا اور ان سے شدت کے ساتھ احتراز کیا۔ اس کا انداز ذیل کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایکمرتبہ مبتدعین کی جماعت علم اٹھائے آپ کے مکان کے سامنے سے گزرنا چاہی آپ نے منع فرمادیا۔ لیکن وہ لوگ لے جانے پر مُصر رہے۔ اور سختی پر اُتر آئے۔ آپ نے تن تنہا ایک لاٹھی سے پوری مسلح جماعت کا مقابلہ کیا اور انہیں مار بھگایا۔

انہیں جامع اضداد بزرگوں کی تعلیمات کے نتائج آج بھی دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ میخانۂ اقطاب و ولیوں میں مئے توحید ساغر شرع میں پلائی جاتی ہے۔ اور طالبین حقائق و عرفان کی پیاس قال اللہ و قال الرسول کے چشمے سے بجھائی جاتی ہے۔ ایک ہی سوتے سے دونوں چیزیں بیک وقت جاری ہیں ؎

در کفِ جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام سنداں باختن



مکتوب ترجمہ

قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین حامی السنن

حافظ قرآن حضرت مولانا محی الدین

شاہ عبد اللطیف قادری نقوی المشہور بہ خضر

مترجمہ

محمد طیب الدین اشرفی مونگیری

یہ مکتوب آپ نے ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۶ھ میں جناب خدا بخش ہوداگر ساکن سردیجہ ضلع ایرہ گوداوری کے نام تحریر کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام مسنون کے بعد اعزی خدا بخش صاحب کو معلوم ہو کہ آپ کا ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۵ھ کا لکھا ہوا مکتوب پہنچا۔ دینی مسائل دریافت کیا ہے اس سے دل بہت خوش ہوا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت مطہرہ آپ کے دل میں قرار پکڑے ہوئے ہے۔ برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے اور فتویٰ ملفوفہ بھی فقیر ہی کا لکھا ہوا ہے جو سنہ ۱۲۶۸ھ میں لکھا تھا لیکن وہ فتوےٰ ناقص رہنے کی وجہ سے دوسرا مکمل فتوائے ملفوف کیا ہوں، اس سے اسناد کے ساتھ مفصل حالتیں معلوم ہونگی۔ سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ ہمارا دین محمدی ہے۔ موسوی و عیسوی وغیرہ نہیں ہے۔ پھر اس دین میں تہتر ۷۳ فرقے ہیں۔ ہمارا فرقہ سنت و جماعت کا ہے۔ خارجیہ، رافضیہ، قدریہ جبریہ، معتزلہ، مرجیہ، ظاہریہ، باطنیہ وغیرہ کا نہیں ہے۔ پھر یہ فرقہ سنت جماعت کے اندر چار مستقل مجتہد سے

چار مذہب رائج ہیں اور مشہور ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ان چاروں مذہب میں حق دائر ہے اور بے خطر ہے اور ان کے اختلاف میں رحمت ہے جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ علماء کا اختلاف رحمت ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جزیل المواہب میں فرماتے ہیں۔ جان لو کہ اس ملت کے اندر مذاہب کا اختلاف بہت بڑی نعمت اور فضیلت ہے اور اس میں لطیف بھید ہے جس کو علماء جانتے ہیں اور جہلا اس سے اندھے ہیں، یہاں تک میں نے سنا بعض جہلا کہتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جبکہ ایک شریعت لائے تو پھر یہ چار مذاہب کہاں سے پیدا ہو گئے۔ پھر ان چاروں مذاہب میں یا تو لوگ مجتہد فی المذہب ہیں جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد، امام طحاوی، کرخی، سرخسی، بزودی، قاضی خان، رازی، ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ برہان مرغینانی وغیرہ ہیں یا مقلد ہیں یعنی مجتہدوں کی پیروی

کرنے والے ہیں جیسے ہم حنفیہ وغیرہ۔ پھر یہ چاروں مذہب مکہ مدینہ، عرب عجم، روم، شام، مصر، مغرب، ایران توران ہند، سندھ، سوادِ اعظم میں جہاں کے مشہور ہیں اور چاروں مذہب کی پیروی کرنے والے سیدھی راہ پر ہیں جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علیکم بالسواد الاعظم تمہارے اوپر سوادِ اعظم لازم ہے۔ پھر جو احکام مجتہدوں نے استنباط کئے ہیں المجتہد یخطی ویصیب کے حکم سے (مجتہد غلطی وصحیح کرتا ہے) صواب وخطاء کے درمیان مترددہیں۔ لیکن وہ مجتہد جس نے صحیح اجتہاد کیا اس کے لئے دو اجر ہے اور جس نے غلطی کی اس کے لئے ایک اجر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مصیب کے لئے دو اجر ہے اور مخطی کے لئے ایک اجر ہے۔ ایسا ہی توضیح وغیرہ اصول کی کتابوں میں ہے۔ اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی رح جلد ثالث کے بائیسویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ مجتہد کے اوپر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کہ غلطی میں بھی اس کو ثواب کا ایک درجہ حاصل ہے اور اس کی تقلید اگرچہ خطاء کرتا ہے نجات کا سبب ہے انتہیٰ۔ اعتراض مقلد پر ہے کہ قرآن اور حدیث سے مسائل کا نکالنا اور اجتہاد کرنا مجتہدوں کا کام ہے، مقلدوں کا نہیں۔ مقلد اگر اپنے مجتہد کے خلاف قرآن اور حدیث سے کوئی مسئلہ نکالے اور اجتہاد کرے تو قطع نظر خطاء سے اس کو صواب میں بھی کوئی ثواب نہیں ہے اور اس مقلد کی پیروی کرنے والے کو نجات نہیں ہے اور وہ مقلد اور اس کا پیروی کرنے والا دونوں عاصی ہیں جیسا کہ کسی کام کا حکم دینا عہدیداروں کا کام ہے۔ سپاہیوں کا نہیں۔ اگر کوئی سپاہی اپنے عہدیدار کے حکم کے خلاف کچھ کرے یا دوسرا سپاہی اس کی پیروی کرے تو وہ سپاہی اور اس کا پیرو دونوں مجرم ہوں گے۔ اب آپ کے سوال کا جواب لکھتا ہوں، آپ نے تحریر کیا ہے کہ مخلوق کی نذر چاروں اماموں کے نزدیک جائز ہے یا نہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں، ایک ایجاب العبادت، دوسرا ہدیہ۔ غیاث اللغات میں ہے، نذر بفتح نون اور سکون ذال معجمہ عہد کرنا۔ اور کسی چیز کا اپنے اوپر واجب کر لینا۔ مثلاً روزہ اور اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ اور بزرگان دین کا فاتحہ دینا اور جو کچھ کہ امراء وسلاطین سے ملاقات کے وقت نقد وجنس سے پیش کرے۔ انتہیٰ۔ اگر نذر معنی ایجاب العبادت ہے تو بالاجماع یہ نذر مخلوق کو حرام ہے خواہ مخلوق زندہ ہو یا مردہ اور نذر نقد ہو یا کھانے پینے کی جنس سے ہو۔ اس لئے کہ یہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لئے عبادت نہیں۔ فتاوای خیریہ والے فرماتے ہیں، کہ مخلوق کی نذر کی حرمت پر اجماع ہے۔ اور اگر نذر سے مراد ہدیہ ہو تو مخلوق کو دینا جائز ہے۔ چنانچہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی اپنے بعض مکتوب میں لکھتے ہیں کہ نذر شما رسید۔ تمہاری نذر پہونچی۔ اور صراط مستقیم باب دوم میں مولوی اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں کہ در خوبی نذر ونیاز اموات شکی وشبہی نیست، یعنی اموات کی نذر ونیاز کی خوبی میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور مریدین پیروں کو اور خدام امیروں کو جو نذر دیتے ہیں اس سے مراد ہدیہ ہے نہ عبادت۔

پھر آپ نے سوال کیا ہے کہ حنفی بموجب ابو حمید ساعدی کی

کی حدیث کے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حنفی مجتہد ہے تو حدیث پر عمل کر سکتا ہے اور مقلد ہے تو اس پر اپنے امام کی تقلید واجب ہے۔ ایسا ہی کتب اصول میں واقع ہے۔ اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی رح جلد اول کے مکتوب دوسو چھیاسی ۲۸۶ میں فرماتے ہیں۔ کہ مقلد کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اپنے مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام نکالے اور اس پر عمل کرے۔ انتہیٰ۔ اور مقدمہ ایضاح کے فصل اول میں مسئلہ استنباط احکام کے بارے میں ہے کہ شرط ثانی آنکہ قایس از مجتہدین باشد نہ از مقلدین انتہیٰ یعنی دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس کرنے والا مجتہدین سے ہو مقلدین سے نہیں۔ اس صورت میں حنفی مقلد کو مجتہدین حنفیہ کی تقلید کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ابو حمید ساعدی جسکی عبارت یہ ہے رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر احرام کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھے کے مقابل اٹھاتے تھے اور یہ شافعی کا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک دونوں کانوں کی لو تک رکھتے ہیں اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں کانوں کے اوپر تک آیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے متوسط کو اختیار کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایتوں کی اس طرح تطبیق دی ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل اور انگوٹھا کان کے برابر اور دوسری انگلیاں کان کے اوپر ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ مختلف اوقات میں ان میں سے ہر ایک ظاہر ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔ انتہیٰ

پھر آپ نے سوال کیا ہے کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کا کیا حکم ہے

جواب اس کا یہ ہے کہ انگلی اٹھانے کے بارے میں اٹھائیس صحیح حدیثیں آئی ہیں مگر صحیح بخاری میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ امام الائمہ امام اعظم اور صاحبین اور مالکیہ اور شافعیہ حنبلیہ سب کے سب اٹھانے کی جانب گئے ہیں اور علماء ماوراء النہر اس کے خلاف گئے ہیں۔ غرض یہ کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور فتویٰ بھی مختلف ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل فصل الخطاب میں وضاحت سے لکھا ہوں۔ یہ کتاب عنقریب چھپنے والی ہے بس آدھی انگلی اٹھانے میں مختار ہے۔ جھگڑا سے کوئی نتیجہ نہیں۔ فقیر ایک کم اسّی کو پہونچ چکا ہے اور لب گور بیٹھا ہے۔ پھر ایک انار صد بیمار ایک سر ہزار سودا کا حکم رکھتا ہے۔ مسائل کی تحقیق کرنے کی فرصت بہت کم ملتی ہے۔ دل میں بہت سی باتیں ہیں قلم اس کی ترجمانی سے قاصر ہے ؎

عمر گذر گئی اور میرے عشق کی باتیں آخر نہیں ہوئیں
رات آخر ہوگئی —— اب میں افسانہ مختصر کر رہا ہوں

میرے تئیں تم دوستوں سے فراموش نہ سمجھنا۔ المرء مع من احب متفق علیہ حدیث ہے یعنی انسان اسکے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ سنت جماعت کے مذہب حقہ پر قائم رہیں اور زیادتی کمی اور کمینی دنیا کے فریب سے محفوظ رہیں اور کچھ جو اپنی محبت و جمعیت باقیہ کی مشام میں لائیں اور موت کی یاد اور احوال آخرت پیش نظر رکھیں۔ اصل کام یہی ہے اسکے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔ ۱۲ / محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

مسئلۂ خلق قرآن اور حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

از ڈی لیف
فیاض محی الدین شبلی متعلم
زمرۂ سابعہ

حق و باطل کی معرکہ آرائیاں جب سے یہ عالم وجود میں آیا اس وقت سے ہیں اور قیامت تک اس کا سلسلہ جاری رہیگا۔ ابتداء سے دنیا نے یہ دیکھا ہے کہ باطل ہمیشہ ساز و سامان تخت و تاج، زر و جواہر سے آراستہ ہو کر دنیا کے سامنے آیا اور حق بے سر و سامان تنہا اور سارے مادی اسباب و وسائل سے خالی ہو کر باطل کے مقابلے میں آیا۔ باطل اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ آگے بڑھا اور چاہا کہ حق کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیں، لیکن ہر بار اُسے منہ کی کھانی پڑی اور پسپا ہو کر رہا۔ کبھی وہ نمرود کے چولے میں آیا اور چاہا کہ اللہ کے خلیل کو بھڑکتے ہوئے شعلے کے حوالے کر کے ہمیشہ کے لئے توحید سے مست و سرشار مبلغ حق کی آواز خاکستر کر دے لیکن تنہا ہونے کے باوجود نمرود و نمرودیت کو تاخت و تاراج کر کے رہا۔ کبھی باطل فرعون کا روپ دھارن کر کے حق کے مقابل آیا اور چاہا کہ کلیم کی گردن میں ہمیشہ کے لئے طوقِ غلامی ڈال کر حق کی آواز کو شاہی رُعب و جلال میں گم کر دے۔ دُنیا نے دیکھا کہ بے سر و سامان حق فرعون کو اس کے کر و فر کے ساتھ دریائے نیل کی موجوں کے حوالے کر کے کس طرح تاج و تخت کا مالک ہُوا۔

اور جب حق فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہُوا تو باطل بوجہل و بولہب کے بھیس میں سامنے آیا اور نورِ حق پر پردہ ڈالنے کی انتھک کوشش کے باوجود ناکام و رسوا رہا!

اللہ کے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزندانِ اسلام کی ایک ایسی جماعت تیار کی جنہوں نے نبی آخر الزمان کے روپوش ہو جانے کے بعد بعثت نبوت کی مقصد کی تکمیل کیلئے جان و مال سے کوشش کی اور حق کی آواز لے کر ساری دنیا میں پھیل گئے۔ بڑے بڑے جابر شہنشاہوں کے کر و فر بھی انہیں نہ خاموش کر سکے اور پوری بے باکی سے اعلان حق کرتے رہے ؎

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

تیسری صدی ہجری میں جب معتزلیوں نے مسئلۂ خلق قرآن کا فتنہ برپا کیا اور ۲۱۲ھ قاضی احمد ابن دواد معتزلی جو قابل اور ذی علم انسان تھا اور اسے مامون الرشید کی ہمنشینی حاصل تھی اور مامون الرشید اس کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا اُس نے مامون سے خلق قرآن کے بارے میں گفتگو کی اور اسے سمجھایا کہ قرآن مخلوق ہے۔ دلیل میں یہ آیت پیش کیا کہ انّا جعلناہ قرآناً عربیاً یہاں جعل کے معنی خلق

کے ہیں (پیدا کرنا) جیسا کہ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ میں ہے اور کہا کہ بعض جہال اس کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان کی سرکوبی کرنا خلیفہ اسلام کا فرض اولین ہے، بات اس کے سمجھ میں آ گئی اور اس نے بغداد کے حاکم کو لکھ بھیجا کہ تمام محدثین وفقہا سے مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں دریافت کیا جائے، اگر وہ لوگ مخلوق ہونے کا اعلان کریں تو بہتر ہے ورنہ ان کے بیان کو قلم بند کر کے دارالخلافہ روانہ کیا جائے۔ حاکم بغداد نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور تمام فقہاء ومحدثین کو بلا کر مسئلہ مذکور کے بارے میں دریافت کیا۔ ان میں اکثر نے صرف اتنا کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس کے آگے مجھے معلوم نہیں۔ اور بعض نے کہ ہم قرآن کو مجعول کہتے ہیں اور مخلوق کہنے سے گریز کیا اور بعض نے بالکل سکوت اختیار کیا۔

جب خلیفہ وقت کو جملہ فقہا ومحدثین کے خیالات معلوم ہو گئے تو دوبارہ حکم جاری کیا کہ وہ حضرات جو اعلانیہ قرآن کو مخلوق کہنے سے انکار کرتے ہیں ان کو فتویٰ دینے اور احادیث کی روایت کرنے سے روک دیا جائے۔ یہ حکم بھی جاری کیا کہ ان کے سر قلم کر کے روانہ کئے جائیں۔ جس وقت یہ فرمان شاہی سنایا گیا تو اکثر نے جان بچانے کی غرض سے یہ کہہ دیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح رضی اللہ عنہما نے اس سے صاف انکار کیا اور اس پر مصر رہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔

بادشاہ کو یہ خبر دی گئی کہ جان بچانے کے خاطر اکثر نے خلق قرآن کا اقرار کر لیا ہے۔ پھر حکم شاہی نافذ ہوا کہ تمام محدثین کو روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ سب محدثین روانہ کر دیئے گئے مگر حسن اتفاق سے اثنائے راہ میں یہ خبر ملی کہ خلیفہ مامون کا انتقال ہو گیا ہے جس سے تمام کی رہائی ہو گئی۔ لیکن مامون نے وصیت کی تھی میرے بعد جو خلیفہ ہوگا اس کو چاہیئے کہ محدثین کو قرآن کے مخلوق ماننے پر مجبور کرے۔

مامون کے بعد معتصم باللہ اس کا جانشین مقرر ہوا اور اس نے حسب وصیت کارروائی شروع کر دی۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر بہت سختیاں کی گئیں۔ قید کیا گیا۔ کبھی اصطبل میں کبھی نہایت تنگ وتاریک کمرہ میں کبھی عام قیدخانوں میں۔ اس اثناء میں اکثر آپ سے مناظرہ بھی ہوتا رہا۔ لیکن آپ کا ہی پلہ بھاری رہا اور جو آپ کے مقابلے کے لئے آتا آپ اس کو ساکت کر دیتے۔ بالآخر بادشاہ نے دو شخصوں کو مناظرہ کے لئے بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے پوچھا تم خدائے تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق۔ انہوں نے جواب میں مخلوق کہا۔

امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اس قول سے تم کافر ہو گئے۔ اس وقت کسی نے کہا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ دونوں بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ آپ نے بے خوف وخطر کہا کہ ہاں یہ کافر ہو گئے۔

دونوں تین روز تک مناظرہ کے لئے آ کر بے نیل مرام واپس ہو جاتے اور آپ کے پاؤں میں روز ایک بیڑی زیادہ

کی جاتی یہاں تک کہ جو تھے دن چار بیڑیاں ہو گئیں۔ پھر حاکم بغداد نے بُلا کر کہا اگر آپ اقرار نہیں کریں گے تو اس وقت تک آپ کو کوڑے لگوائے جائیں گے جب تک کہ آپ اقرار نہ کرلیں، یا پھر اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ اور ایک تنگ و تاریک مکان آپ کی قید کے لئے تجویز کیا گیا۔ پھر حاکم نے آپ سے کہا کہ بھلا یہ تو خیال کرو، حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے قرآن مجعول ہو اور مخلوق نہ ہو۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا حق تعالیٰ کا یہ بھی قول ہے فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ کیا یہاں خلق کا معنے صادق آئے گا؟ (یعنی جعل اور خلق الفاظ مرادف نہیں ہیں)۔

بالآخر حاکم سے اس کا جواب نہ ہو سکا۔ اس نے بادشاہ کے پاس حاضر کرنے کا حکم دیا۔ دونوں پاؤں میں چار چار بیڑیاں ہونے کی وجہ سے آپ قدم قدم پہ گر جاتے۔ آخر کسی جانور پہ سوار کئے گئے اور معتصم باللہ کے گھر پہنچے، نہایت تنگ و تاریک حجرہ میں داخل کر کے باہر سے قفل لگا دیا گیا۔

حضرت امام فرماتے ہیں کہ جب میں بادشاہ کے روبرو پہونچا تو ایک جم غفیر کو پایا۔ ابن دواد اور اس کے طرفدار کثیر تعداد میں تھے۔ بادشاہ نے اپنے روبرو مجھے جگہ دی، بعد گفتگو کے بادشاہ نے کہا اب مناظرہ کرو۔

ابن دوّاد نے مجھ سے کہا قرآن کو تم مخلوق کہتے ہو، یا غیر مخلوق۔ میں نے کہا خدائے تعالیٰ کے علم کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق۔ وہ جواب دے سکا۔ ہر طرف سے دلائل و اعتراضات کی بوچھار ہونے لگی اور میں ہر ایک کا مسکت جواب دیتا رہا۔

اس اثناء میں بادشاہ مجھ سے برابر اقرار کے لئے اصرار کرتا رہا۔ چنانچہ کافی دیر تک مناظرہ ہونے کے باوجود جب نتیجہ کچھ نہ نکلا تو بادشاہ اٹھا اور ان لوگوں سے تخلیہ کیا۔ اس کے بعد مجھ سے تخلیہ کیا۔ اور کہا اے احمد! تم اقرار کرلو تو تمہیں ابھی رہا کر دیتا ہوں۔ میں نے کہا بغیر قرآن و حدیث کے کوئی بات مان نہیں سکتا۔ یہ بات سن کر غضب ناک ہو گیا اور حکم دیا اس کو کھینچو اور لباس اتارو۔ جب قمیص اتاری گئی تو اس میں کوئی چیز بندھی تھی۔ پوچھا گیا، تو حضرت امام احمد نے جواب دیا، موئے مبارک صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

پھر بادشاہ اٹھ کر کوڑا لانے کا حکم دیا۔ جب پسند نہ آیا دوسرا مانگا اور جلاّدوں کو حکم دیا سختی و زور سے مارو۔ چنانچہ ایک شخص آگے بڑھتا اور زور سے دو کوڑے مار کر وہاں سے ہٹ جاتا۔ پھر دوسرا۔ اسطرح نوبت بہ نوبت آتے رہے۔ جب انیس[19] کوڑے مارے گئے، بادشاہ کو کچھ رحم آیا اور کہنے لگا کیوں اپنے نفس کو قتل کرتے ہو۔ خدا کی قسم مجھے تم پر شفقت ہے، کوئی ایسی بات کہو جو مجھے تمہارے چھوڑنے کے لئے حیلہ بن جائے، آپ اس وقت بھی یہی جواب دیتے رہے۔ کتاب اللہ سے اس کا ثبوت دیا جائے۔

پھر اس کے ساتھ ہی ہر طرف سے سختیاں ہونے لگیں، کوئی تلوار کے قبضہ سے مارتا کوئی کسی سے، پھر بادشاہ پاتے

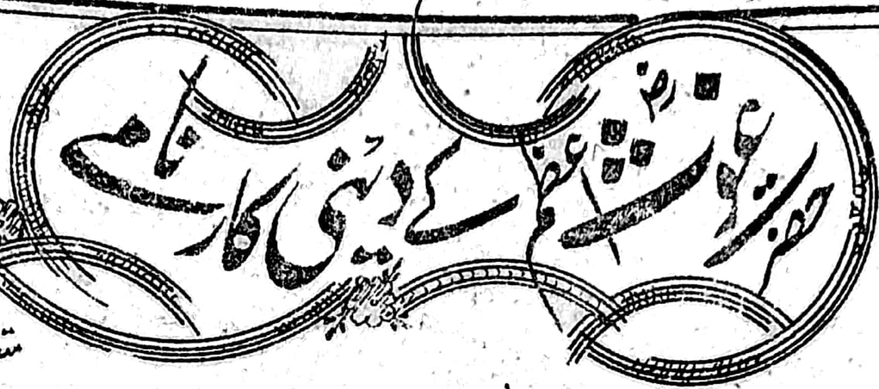
پر اصرار کرتا اور وہی جواب پاکر جلادوں کو سختی کرنے کا حکم دیتا۔ پھر کوڑے پڑنے لگتے، یہاں تک کہ آپ پر بے ہوشی کی حالت طاری ہوگئی اور کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ آپ کے بے ہوش ہونے کے بعد لوگوں نے پاؤں سے رَوندا۔

اس طرح سے اٹھائیس مہینے مختلف قسم کی تکلیفیں دی گئیں۔ آخر مجبور رہا کر دئے گئے۔

جب تک آپ کو ہوش تھا ہر کوڑے پر معتصم کو بَری کرتے اور اس کی خطا معاف فرماتے۔ کسی نے اس کی وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا' میں یہ نہیں چاہتا کہ کل قیامت میں یہ کہا جائے کہ یہ شخص نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد' اور اہل بیت کا دعویدار رہے۔

اس طرح اللہ اور اس کے رسُول کا دیوانہ دین حق کا پاسبان ہر قسم کے مصائب ایک زمانے تک جھیلنے کے بعد اپنے معبودِ حقیقی کے بُلاوے پر لبیک کہتے ہوے جان جان آفریں کے سپُرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دنیا نے دیکھا کہ باطل نے تاج وتخت کا سہارا لے کر سیم وزر کے ڈھیر پر کھڑا ہو کر حق کو سرنگوں کرنا چاہا۔ لیکن تلواروں اور دُرّوں کی جھنکار میں بھی حق الحق یعلو ولا یعلیٰ ہی رہا۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں کہ جمود طاری ہو جائے۔ لیکن حق آگے ہی بڑھتا رہا۔

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر انسانیت سُوز مظالم دیکھ کر دنیا کانپ گئی سینۂ کائنات دہل اُٹھا۔ لیکن بارگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا گدائے غیور جس کی فقیری میں ہفت اقلیم کی کشور کشائی پنہاں تھی تن تنہا حق کی خاطر مصائب و آلام کے کوہ گراں کا مقابلہ کرتا اور دُنیا سے اس حال میں گیا کہ طلسم باطل پارہ پارہ ہو چکا تھا اور حق کے لئے حق کی بارگاہ میں اس کی یہ قربانی مقبول ہو چکی تھی!!



از
حافظ محمد ابراہیم
ادھونی
(زمرۂ ثانیہ)
متعلم دارالعلوم لطیفیہ ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب انسان دنیا میں آیا اور اپنے گردوپیش کی چیزوں پر نظر ڈالی تو اس میں ایسا کھو گیا کہ اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو اس نے بالکل ہی بھلا دیا۔ اور اللہ کی پرستش کی بجائے شیطانی قیادت میں غیر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا لیکن اللہ کی غیرت و رحمت نے اسے گوارہ نہ کیا اور انبیائے کرام کو ہر زمانے میں انسان کی ہدایت کیلئے مبعوث کرتا رہا۔ جب انبیاء و رسل علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا تو شریعت و سنت کو قائم و دائم رکھنے کے لئے اپنے مقبول بندوں کو پیدا فرماتا رہا۔ چنانچہ آپ کے بعد صحابہ پھر تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین و علماء و اولیائے کرام دنیا میں آتے رہے اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے۔ انہیں مصلحین اور رہنماؤں میں سے حضور غوث پاک شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی بھی برگزیدہ شخصیت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق کے لئے دنیا میں پیدا فرمایا تھا اور بہت بڑے مرتبہ سے نوازا تھا۔ چنانچہ بروایت مشہور آپ نے فرمایا کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔

پیدائش آپکی ولادت باسعادت طبرستان کے آگے ایک مشہور شہر گیلان میں انتیس ۲۹ شعبان المعظم ۴۷۰ھ کی شب میں تہجد کے وقت ہوئی۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ آپ جس دن تولد ہوئے اس روز آسمان پر ابر چھایا ہوا تھا۔ آسمان پر ابر ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا۔ آپ نے اس دن دودھ پیا۔ اس کے دوسرے دن سے تمام رمضان تک دن میں کبھی دودھ نہیں پیا۔ ابتدا ہی سے آپکے دل میں شریعت کا احترام تھا۔ بچپن کا زمانہ تھا ایکمرتبہ آپ آبادی سے باہر کھیل رہے تھے۔ کھیلتے کھیلتے ایک گائے کی دُم پکڑ کر کھینچا تو وہ گائے نے مخاطب ہو کر کہا۔ عبدالقادر تم اس کام کے لئے دنیا میں نہیں پیدا کئے گئے ہو۔ یہ الفاظ گائے کے منہ سے سنا ہی تھا آپ پر ایک قسم کی ہیبت طاری ہوئی' اُسی وقت آپ اپنے گھر کی جانب لوٹے' پورا واقعہ والدۂ ماجدہ سے بیان کیا اور تحصیل علم کے لئے بغداد جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ کی والدۂ ماجدہ آپ کو ایک لمحہ کیلئے بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل کرنا گوارا نہ کرتی تھیں۔ آپ کو سمجھایا لیکن اُسی اصرار پر رہے کہ میں علم دین حاصل کر کے اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا آپ مجھے بخوشی اجازت دیجیئے۔ چنانچہ آپ کی والدۂ محترمہ نے آپکے ذوق و

شوق کو دیکھکر آپ کو جانے کی اجازت دے دی۔ آپ نے اپنی عمر کے اٹھارہ سال گیلان میں گزارے، اس کے بعد تحصیل علم کے لئے بغداد کی جانب روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر بہت جلد علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کرلی۔ تحصیل علم کے بعد آپ تینتیس ۳۳ سال تک درس و افتا کے فرائض انجام دیتے رہے، حضرت خضر حسینی موصلی کا بیان ہے کہ حضرت غوث الاعظم اپنے مدرسہ میں روزانہ صبح سے لیکر شام تک تفسیر و حدیث و فقہ اور دیگر علوم کا درس دیا کرتے تھے اور آپ کے درس میں یہ خصوصیت تھی کہ جو شاگرد آپ کے سامنے تہ زانو کیا پھر اس کو کسی دوسرے کے سامنے تہ زانو ہونے کی ضرورت نہ پڑی۔ درس تدریس کے علاوہ کثرت سے آپکے پاس استفتاء آتے تھے۔ آپ استفتاء پڑھکر بغیر تامل یا مطالعۂ کتب کے صحیح و درست جواب تحریر فرما دیتے۔ اس کے علاوہ وقتوں میں آپ تصنیف کا کام بھی کرتے تھے، چنانچہ اب بھی کثیر تعداد میں آپ کی تصانیف موجود ہیں آپ کی تصانیف سے

۱- غنیۃ الطالبین جو فقہ کی مشہور کتاب ہے۔

۲- فتوح الغیب۔ یہ سلوک و تصوف میں ہے

۳- الفتح الربانی یہ کتاب چھ مجالس کے نام سے موسوم ہے

۴- مجموعہ مواعظۃ الجلال الخاطر

۵- یواقیت والحکم ۶- الفیوضات الربانیہ

۷- حزب بشائر الخیرات

۸- المواہب الرحمانیہ

۹- والفتوح الربانیہ ان مذکورہ کتابوں کا نام پروفیسر مارگولیتھ نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آرٹکل عبدالقادر جیلانی کے تحت درج کیا ہے، بقول مارگولیتھ مصنف کی یہ تمام تصانیف فضل و کمال و تفقہ فی الدین اور تبحر علم شریعت پر شاہد عدل ہیں۔

اشاعتِ اسلام

آپ اخلاق حسنہ کے پیکر و مجسمہ تھے جس سے ہر شخص آپ کی جانب مائل ہو جاتا تھا یہاں تک کہ کافر آپ کے حسن و خلق کو دیکھ کر خود بخود آغوش اسلام میں آنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ آپ کے عادات و اطوار میں صداقت و حق گوئی اور بے باکی بہت زیادہ تھی۔ آپ کی حق گوئی و صداقت کی وجہ سے بہت سے کفار اسلام کی آغوش میں آئے اور خدائے تعالیٰ سے ناآشنا لوگوں نے راہ راست پائی۔ چنانچہ آپ کے بچپن کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ جب آپ تحصیل علم کے لئے قافلہ کے ہمراہ بغداد کی جانب روانہ ہوئے، آپ قافلہ کے ساتھ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں رہزنوں نے پورے قافلہ والوں کو لوٹ لیا۔ آخر ایک ڈاکو آپکے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا اے لڑکے تمہارے پاس کچھ ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو یہ سمجھ کر واپس چلا گیا کہ لڑکا مجھ سے مذاق کرتا ہے۔ ڈاکوؤں نے قافلہ کا تمام سامان اپنے سردار کے پاس پیش کیا تو سردار نے کہا اور کوئی آدمی قافلے سے چھوٹا تو نہیں۔ اس وقت ایک ڈاکو نے کہا کہ ایک لڑکا ہے جسکے کپڑے بوسیدہ ہیں وہ میرے ساتھ مذاق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔

اسوقت ڈاکوؤں کا سردار آپ کے پاس آیا اور سوال

کیا آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ سردار نے آپ سے کہا کہ کہاں ہیں، تو آپ نے فرمایا میرے عبا میں سِلے ہوئے ہیں۔ سردار نے اسکی تحقیق کیا تو چالیس دینار پایا۔ سردار نے آپ سے کہا آپ نے کیوں صاف صاف اس طرح بتا دیا۔ تو آپ نے فرمایا میں اپنی ماں سے عہد کر چکا ہوں کہ میں کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ تو اس وقت کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اپنی والدۂ ماجدہ کے عہد سے روگردانی کروں اور ان کے حکم کی تعمیل نہ کروں۔ آپ کی زبان سے یہ الفاظ اس قدر موثر نکلے کہ رہزنوں کا سردار چیخ مار کر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا اللہ اکبر اس کمسنی میں اپنی والدہ کے حکم کا یہ احترام کہ صداقت کو اپنے ہاتھ سے کسی طرح نہیں جانے دیا۔ میں ساٹھ برس کا ہو چکا ہوں میری تمام عمر لوٹ مار میں بسر ہو گئی اور کبھی بھول کر بھی مجھے اپنے مالک کا خیال نہیں آیا۔ جو راستی و صداقت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اپنے کلام میں اچھائی کی راہ دکھاتا ہے اور ہمیشہ اپنے بندوں کی بھلائی چاہتا ہے، اس کے بعد رہزنوں نے اپنے گناہ سے توبہ کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ تدریس کے علاوہ اکثر وعظ و تقریر سے اسلام کی اشاعت کرتے رہے۔ آپ کے وعظ میں یہ تاثر تھا کہ جو سنتا ان کے حواس گم ہو جاتے اور ان کے دلوں میں خوفِ خدا اور رقّت طاری ہو جاتی۔ ہزاروں کی تعداد میں یہود و نصاریٰ نے آپ کا وعظ سن کر اسلام قبول کیا۔

آپ کے کرامات

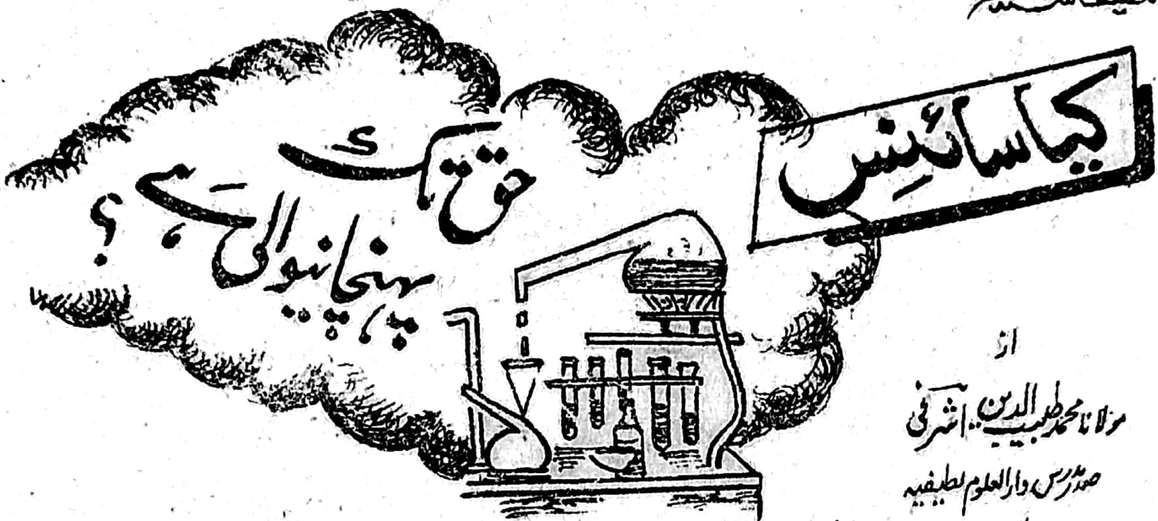
ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت غوث الاعظم کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک عیسائی اور مسلمان کو مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا۔ مسلمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عیسیٰ پر فوقیت دیتا تھا۔ اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دیتا تھا اور دلیل یہ پیش کر رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اس دلیل کو سن کر غوثِ پاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تو فضیلت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ یہ کام تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی کر سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں اگر تمہیں اپنے پیغمبر علیہ السلام کا معجزہ دیکھنا ہو تو کہو میں مردوں کو زندہ کروں۔ عیسائی نے کہا ضرور دکھلائیے۔ عیسائی آپ کو ایک مغنّی کی قبر کے پاس لے گیا، آپ کو الہام ہوا کہ یہ مغنّی کی قبر ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ مردہ صرف زندہ نہیں بلکہ قبر سے گاتا ہوا نکلے۔ عیسائی نے کہا یہ تو آپ کی فضیلت کی اور بھی پختہ دلیل ہوگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قُمْ بِاِذْنِ اللہ یہ الفاظ ابھی پورے نہیں نکلے تھے کہ قبر شق ہو گئی اور مردہ گاتا ہوا قبر سے نکلا۔ عیسائی نے آپ کی یہ کرامت دیکھ کر آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور اسلام لایا۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آپکی وفات

ایک طویل مدت تک اہلِ عالم کو مستفید کرتے رہے اور انہیں راہِ راست دکھاتے رہے عالمِ اسلام میں زہد و نیت اور رجوع الی اللہ کا عالمگیر کامل ذوق پیدا کر کے سنہ ۵۶۱ھ میں نود سال کی عمر میں اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مزار بغداد میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔



از
مولانا محمد طیب الدین اشرفی
صدر مدرس دار العلوم لطیفیہ

کائنات کی لامتناہی وسعتوں تک پہنچنے کی کوشش، اشیاء کی ماہیت کو جانچنے کی خاطر تحقیق و تجسس و راس سے برآمد شدہ نتائج کے ذریعہ نت نئی تحقیقات کا نام سائنس ہے۔ کائنات کی بے انتہا گہرائیوں تک رسائی کی کوشش اور اشیاء کی تحقیق و تجسس کا یہ عمل کسی بھی طرح غیر اسلامی نہیں۔ خود اسلام نے بارہا کائنات پر غور و خوض کی دعوت دی ہے۔ اس سے حق تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اشیاء کے اندر یہ تنوع، رنگا رنگی، اور کمالِ حسن، صانع کائنات کے حسنِ تخلیق کا پتہ دے رہے ہیں۔ انسان جب اس میں غور و خوض کرتا ہے اور اپنی فکر صحیح سے کام لیتا ہے تو نگاہوں سے اوجھل کسی ما فوق التصور ذات کے وجود کا اقرار کرنے اور نیاز مندانہ اسکی بارگاہ میں سر جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار

ارشاد باری تعالیٰ ہے ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف اللیل و النہار لآیات لقوم یتفکرون یعنی بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے مختلف ہونے میں اس قوم کے لئے بے شمار نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتی ہے۔

جب کوئی سائنس دان یا مفکر کسی شئی کی ماہیت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو اس کا متحیر ذہن اس سرچشمہ کے متعلق سوچنے لگ جاتا ہے جہاں سے حسنِ تخلیق کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ چند مادہ پرست فلاسفہ اور سائنس دانوں سے قطع نظر ایسے بھی فلاسفہ، اور سائنس دان ہیں جو اپنی تحقیقات کے بعد قدرتِ ایزدی کے پہلے سے زیادہ قائل نظر آتے ہیں۔

زیر بحث مضمون میں چند ایسے سائنس دانوں کی تحقیقات کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے اپنی تحقیقات کے بعد خدائے وحدہٗ لاشریک کی بے پناہ قدرت کی مداحی کی ہے۔ یا انہوں نے اپنی تحقیقات کے بعد خدا کے وجود کو ثابت کیا ہے۔

سر الیگزانڈر فلیمنگ، دوسری جنگِ عظیم کے موقعہ پر ایک معمولی فوجی ڈاکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا تھا۔ ان دنوں انسان کے بدن میں سرخ جسیموں اور سفید جسیموں کے وجود کے متعلق دریافت مکمل ہو چکی تھی اور یہ بھی معلوم ہو

چکا تھا کہ انسانی زندگی کا دارومدار خون کے انہیں جسیموں پر منحصر ہے۔ نیز ان دنوں جراثیم کے وجود کو بھی تسلیم کیا جا چکا تھا اور یہ بھی معلوم کیا جا چکا تھا کہ جراثیم کا وجود انسانی زندگی کے لئے خطرناک ہے۔ یہ جراثیم زخم کی راہ سے انسانی بدن میں داخل ہوتے ہیں اور خون کے ان جسیموں سے جراثیم کی جنگ ہوتی ہے آخرکار موت واقع ہوتی ہے۔ ان دنوں سائنس کی ایک اور حیرت انگیز دوا کاربولک ایسڈ ایجاد ہو چکی تھی۔ جو جراثیم کُش تھی۔ چنانچہ زخمی سپاہیوں کے زخموں پر کاربولک ایسڈ لگایا گیا لیکن جو جراثیم بدن میں داخل ہو چکے تھے ان کو ختم کرنے کی سوائے اس کے کوئی صورت نہیں تھی کہ کاربولک ایسڈ کو ان کے بدن میں داخل کیا جائے۔ لہٰذا (اے۔ یم۔ او) فوجی میڈیکل آفیسر نے کاربولک ایسڈ کا انجکشن لگانے کا حکم دیا۔ سر الیکزنڈر فلیمنگ نے اس حکم کی سختی سے مخالفت کی لیکن ایک بڑے آفیسر کے مقابلہ میں فلیمنگ کی ایک نہ چلی۔ آخرکار وہی ہُوا جو فلیمنگ کو اندیشہ تھا۔ زخمی صحت یاب ہونے کی بجائے جلد موت کی آغوش میں چلے جاتے۔ کیونکہ کاربولک ایسڈ نہ صرف جراثیم کش تھا بلکہ اس کے استعمال سے خون کے جسیمے بھی مر جاتے تھے۔ اور زخمیوں کی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، آخرکار فلیمنگ نے ملازمت کو خیرباد کہا اور ایک ایسی دوا کی جُستجو میں لگ گیا جو جراثیم کو تو ختم کر دے لیکن خون کے جسیموں کو تقویت پہنچائے۔

ایک دن فلیمنگ اپنی کُٹیا میں بیٹھا ہوا "اسٹافلو کاکس" نامی جراثیم پر تجربہ کر رہا تھا کہ اچانک پھپوندی کا ایک ٹکڑا جراثیم کی پلیٹ پر آن پڑا۔ (بتایا جاتا ہے کہ ایک پڑوسن بڑھیا رات کو رکھی ہوئی باسی روٹی جھاڑ رہی تھی جس پر پھپوندی جمع ہو گئی تھی۔ ہوا کے جھونکے نے پھپوندی کے ریزے کو جراثیم کی پلیٹ تک پہونچا دیا تھا) فلیمنگ نے دیکھا کہ پھپوندی جراثیم کش ہے۔ اس نے خون کے جسیموں پر بھی پھپوندی کا تجربہ کیا۔ اس سے جسیموں کو بہت زیادہ تقویت پہونچی۔ اس نے متعدد قسم کے جراثیم پر یہی تجربہ دہرایا۔ اکثر و بیشتر جراثیم کے لئے پھپوندی مہلک ثابت ہوئی۔ فلیمنگ چلّا اٹھا۔ خدا کی پیدا کی ہوئی ایک بے مثال چیز کی دریافت کا شرف مجھے حاصل ہوا۔ اس نے اس دوا کو پنسلین کا نام دیا۔ دوسرے ہی دن فلیمنگ کو عالمی شہرت حاصل ہو گئی۔ امریکہ سے سائنس دانوں کی ایک جماعت اس مقام کو دیکھنے کے لئے پہونچی، جہاں پنسلین کی دریافت ہوئی تھی۔ ایک کُٹیا کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے دریافت کیا "کیا یہی وہ جگہ ہے جہاں پنسلین دریافت ہوئی ہے؟ فلیمنگ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا"۔ خدا غریبوں پر بھی مہربان ہے ـــــ اگر میں تمہاری طرح کسی ایرکنڈیشنڈ لیبورٹری میں بیٹھ کر تجربہ کرتا تو شاید کبھی پنسلین دریافت نہیں کر پاتا۔"

ہاکینس ـــــ یہ ایک معمولی تعلیم یافتہ نوجوان تھا۔ ابتدائی زندگی سخت الجھنوں میں رہی جہاں بھی اس نے ملازمت اختیار کی دیرپا نہیں رہی اور بہت جلد اُسے دستبردار ہو جانا پڑا۔ آخرکار اُسے ایک اسکول میں مدرسی مل گئی۔ ایک دن اُسے

طلبا کو بانقراس (Pancreas.) پر لیکچر دینا پڑا تھا اور اس نے تجربہ کے لئے کتوں کے بانقراس آپریشن کے ذریعے نکالے۔ لیکچر سے واپسی پر اُس نے دیکھا کہ کتوں کے پیشاب پر مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ رک گیا اور کتوں کے پیشاب کا تجزیہ کرنے لگا۔ پیشاب میں کثرت سے شکر پائی گئی۔ اس نے سوچا کہ آیا کتوں کے پیشاب میں پہلے ہی سے شکر موجود رہتی ہے یا بانقراس کے نکال لئے جانے کی بنا پر یہ شکر پائی گئی ہے۔ اس نے دوسرے کتوں کے پیشاب کا بھی معائنہ کیا۔ شکر نہیں پائی گئی لیکن انہیں کتوں کے پیشاب میں بانقراس کے آپریشن کے بعد شکر پائی جانے لگی۔ پہلی مرتبہ دنیا کو بانقراس کے عمل کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس سے ایک قسم کی رطوبت نکلتی ہے جو کاربوہیڈریٹ غذاؤں کو گلوکوس میں تبدیل کرتی ہے۔ گلوکوس کا اسٹاک جگر میں جمع ہوتا ہے اور جب گلوکوس جلتا ہے تو انسان کے بدن میں گرمی پیدا ہوتی ہے جسکے نتیجے میں وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوتا ہے لیکن اگر بانقراس سے وہ رطوبت خارج نہیں ہو پاتی تو کاربوہیڈریٹ گلوکوس میں تبدیل ہونے کی بجائے پیشاب کے ذریعہ خارج ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس نے آپریشن کئے گئے کتوں کو بانقراس سے نکلی ہوئی رطوبت کا انجکشن دیا۔ اس نے دیکھا کہ پیشاب کے ساتھ اس وقت تک شکر کی آمد موقوف ہوگئی۔ جب تک کہ انجکشن کا اثر باقی رہا۔ ذیابیطیس کے مرض کا مرکز اور اس کا عارضی علاج ہاپکنس کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اس وقت تک یہ مرض کلی طور پر لاعلاج تسلیم کیا جاچکا تھا۔ ایک امیر عورت ہاپکنس کو خدا کہتے ہوئے اس کے قدموں پہ گر پڑی۔

ہاپکنس نے اس عورت کو روکتے ہوئے کہا کہ تو اس خدا کا شکر ادا کر جس نے "انسولین" پیدا کیا ہے۔ میں نے اسکی پیدا کی ہوئی ایک چیز کو دریافت کیا۔"

ایک مشہور سائنس دان نے آفرینش کائنات کے بارے میں لکھا ہے "کائنات میں سب سے پہلے سورج کو پیدا کیا گیا۔ یہ ایک بہتے ہوئے گرم لاوے کی شکل میں اپنی گردش آپ کر رہا تھا۔ ایک مرتبہ ایک سیارہ کہیں سے آیا اور سورج کے قریب سے ہوتا ہوا بڑی تیز رفتاری کے ساتھ گذر گیا۔ چونکہ اس سیارے میں بلا کی کشش تھی، لہٰذا سیال لاوے کا ایک بڑا حصہ اس سیارے کی کشش سے متاثر ہوکر سیارے کی سمت کو چلا۔ چونکہ سیارے کی رفتار کافی تیز تھی۔ لہٰذا وہ حصہ سیارے کو تو چھو نہ سکا البتہ کئی حصوں میں بٹ کر رہ گیا جسکو دنیا سبع سیارہ کے نام سے یاد کرتی ہے سائنس کے اعتبار سے ہر بڑی چیز دیر تک گرم رہتی ہے اور ہر چھوٹی چیز نسبتاً جلد ٹھنڈی ہوجاتی ہے لہٰذا چاند زمین سے نسبتاً چھوٹا ہونے کے باعث جلد ٹھنڈا ہوگیا۔ لیکن زمین کی گہرائیوں میں آج بھی اتنی حرارت باقی ہے کہ وہاں کوئی بھی دھات بآسانی پگھل جاتی ہے۔ اسی سائنس دان نے آگے چل کر پھر لکھا ہے کہ کائنات کی وسعت لامتناہی ہے بعض ستاروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس نظام شمسی کی گردش چند گھنٹوں یا چند دنوں میں مکمل کر لیتے ہیں پھر مہینوں بلکہ برسوں اور صدیوں تک لاپتہ رہتے ہیں۔ ان ستاروں کے متعلق ایک سوال ہمارے ذہن میں اُبھرتا ہے کہ آیا یہ ستارے گردش کرتے ہیں یا ثابت ہیں، اگر ثابت ہیں

تو پھر نمودار ہونے کا سوال بے معنی ہے اور اگر گردش کرتے ہیں تو یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کائنات کے کس حصہ کی گردش کرتے ہیں یا ساری کائنات کی گردش کرتے ہیں۔ اس دلچسپ انکشاف کے بعد وہ سائنس دان خُدا کے وجود کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس سارے نظام عالم کو کنٹرول کرنے کی خاطر ایک ایسی طاقت کا وجود ضروری ہے جس کی قدرت و توانائی کا موازنہ کسی بھی مادی شئی سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی حیران نظر ایک ایسی بے پناہ طاقت کو دیکھتی ہے جس کی قدرت ساری کائنات پہ کنٹرول رکھتی ہے۔

تخلیق کائنات کی حقیقت کیا ہے، اور یہ کیسے وجود میں آئی اور تخلیق کائنات سے متعلق مذکورہ نظریہ نفس الامری حقیقت رکھتا ہے یا نہیں۔ اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے اس امر سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب ایک مفکر اور سائنس دان عالم کے اس عجیب و غریب مستحکم نظام پہ غور و فکر کرتا ہے تو عالم کا یہ وجود اور اسکی استحکامیت حیرت میں ڈال دیتی ہے اور اس عالم تحیر میں کشاں کشاں ایک ایسے مقام پہ جا کر رُک جاتا ہے جہاں وہ اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوتا ہے کہ پوری کائنات کو کنٹرول میں رکھ کر چلانے والی کوئی ایسی مخفی طاقت ضرور ہے جسے دنیا خدا کے نام سے یاد کرتی ہے، اور یقیناً اس مقدس ہستی کے وجود سے انکار شپرہ چشمی ہے۔

چنانچہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ۱۹۵۱ء میں "The Origin of the Earth" نامی ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں وضاحتہً یہ ذکر ہے کہ ہم میں سے بہتوں پہ چاہے وہ سائنس داں ہوں یا غیر سائنس داں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ تخلیق الٰہیہ پہ ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا ضروری یہ ہمیشہ سے ہے۔ کتاب مذکور کے اندر جملہ ماہرین سائنس داں کی جانب سے اس بات کا صراحتہً اعتراف کیا گیا ہے کہ کائنات کا خالق ضرور ہے!!

امام غزالی علیہ الرحمہ کے دینی و روحانی کارنامے



خدائے قدوس اپنے بندوں کی اصلاح وتربیت اپنے صالح بندوں کے ذریعے کہ جن کو منصب نبوّت ورسالت دیکر مبعوث فرمایا تھا کرتا رہا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ورسالت کا دروازہ بند ہوگیا تو آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اور خلفائے راشدین نے آپ کی پوری اتباع کی اور کتاب وسنت پر خود پورے طور پر عمل پیرا ہو کر امتِ محمدیہ کو راہِ ہدایت بتاتے رہے، ان کے بعد علمائے اسلام نے اپنی پوری زندگی کو اس نیک کام کے لئے وقف کردیا۔ اور تحریر وتقریر سے گمراہوں کی اصلاح وتربیت کرتے رہے۔ ان برگزیدہ ہستیوں میں حضرت امام غزالیؒ بھی ہیں آپ کا نام محمد لقب حجۃ الاسلام اور غزالی عرف ہے۔

آپ بمقام طوس ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام صاحب کے والد محمد بن محمد مرد صالح درویش مزاج اور عبادت گزار تھے۔ اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے۔ لیکن علماء فقہاء اور صلحاء سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے امام صاحب اور ان کے بھائی احمد کو اپنے دوست احمد بن محمد راذکانی کے سپرد کیا۔ انہوں نے ان کے ابتدائی مراحل طے کرائے۔ امام صاحب نے فقہ کی ابتدائی کتابیں بھی آپ ہی سے پڑھیں پھر جرجان چلے گئے اور امام ابو نصر اسماعیلی کی خدمت میں جاکر تحصیل علوم شروع کیا۔ اس وقت درس کا یہ قاعدہ تھا کہ استاد کی تقریر کا خلاصہ شاگرد محفوظ کرلیا کرتے تھے۔ ان کو تعلیقات کہا جاتا تھا۔ امام صاحب نے بھی تعلیقات کا مجموعہ تیار کیا۔ وطن آتے وقت راہ میں ڈاکہ پڑا اور امام صاحب کا پورا مال واسباب مع تعلیقات کے لٹ گیا۔ آپ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور صرف اس مجموعہ کے دینے کی درخواست کی۔ اور کہا کہ میں نے اس کے سننے، اور یاد کرنے کے لئے یہ سفر کیا تھا۔ اس پر وہ ہنس پڑا اور کہا کہ تم نے خاک سیکھا۔ ایک کاغذ نہ رہا تو تم کورے ہوگئے۔ یہ طعنہ آپ کے حق میں ہدایت خداوندی ثابت ہوگیا اور جو کچھ آپنے تعلیقات میں لکھا تھا تین سال کی مسلسل کوشش سے ان تصنیفات کے حافظ ہوگئے۔ پھر غزالی مزید تحصیل علم کے لئے طوس سے نیشاپور روانہ ہوئے جو علمائے خراسان کا مرکز تھا اور وہاں کے سب سے بڑے عالم امام الحرمین ابوالمعالی جوینی کی خدمت میں رہ کر نہایت جدوجہد سے علم کی تحصیل میں لگ گئے اور تھوڑی ہی مدت میں فارغ ہو کر اقران میں ممتاز ہوگئے۔

امام الحرمین کی درسگاہ میں چار سو طلبا تعلیم پاتے تھے، جن میں تین بہت ممتاز تھے۔ کیا ہراسی، ابوالمظفر خوافی

اور امام غزالی کیا اور خوافی کی ہمسری طالب علمی کے زمانہ تک تسلیم کی جاسکتی ہے ورنہ اس کے بعد امام غزالی کو جو رتبہ حاصل ہوا وہ امام الحرمین کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ غرض آپ ۲۸ سال کی تمام علوم متداولہ میں ایسی مہارت حاصل کرلی کہ استاد بن گئے اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کردیا۔ جب تک امام الحرمین زندہ رہے آپ ان کی خدمت میں رہے۔ یہاں تک کہ ۴۷۸ھ میں امام الحرمین کی وفات ہوی۔

آپ وہاں سے رخصت ہوکر خواجہ نظام الملک طوسی کے دربار میں پہنچے جو علماء و فضلاء سے معمور تھا۔ نظام الملک تک امام غزالی کی علم و دانش کی شہرت پہنچ چکی تھی اور وہ خود بھی صاحب علم و کمال تھا اور اہل فضل و کمال کی بڑی قدر کیا کرتا تھا۔

جب امام صاحب نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو نظام الملک نے مجلسیں قائم کیں، متعدد جلسے ہوئے اور مختلف علمی مضامین پر بحثیں ہوئیں۔ ہر معرکہ میں امام صاحب غالب رہے اس کامیابی نے امام صاحب کی شہرت کو اور چمکایا۔ یہ شہرت امام صاحب کی یہاں تک ہوی کہ مدرسۂ نظامیہ بغداد کے منصب تدریس پر فائز کئے گئے جو اس زمانہ کا بالاترین منصب علمی تھا۔ یہ واقعہ ۴۸۴ھ کا ہے۔ آپ یہاں چار سال تک تدریس، خطابت، وعظ و مناظرہ اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ بہت سے علماء و فضلاء نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے حلقۂ درس میں تقریباً تین سو جید علماء شریک ہوتے تھے۔ غرض امام صاحب کی عزت و حرمت میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ اس مدت میں آپ نے درس و وعظ کے علاوہ فلاسفہ حکماء اور دیگر مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور مذاہب کی تحقیق میں کافی جد و جہد کی، یہاں تک کہ عقائد، فلاسفہ و ارباب مذاہب کی تحقیقات پر کامل احاطہ حاصل کیا۔ پھر آپ نے صوفیہ کے عقائد اور ان کی تصانیف کے مطالعہ کی جانب توجہ فرمائی۔ اس فن میں حضرت جنیدؒ۔ شبلیؒ۔ بایزید بسطامیؒ رحمہم اللہ عنہم کے جتنے ملفوظات تھے ان کا مطالعہ کیا اور ابو طالب مکی کی قوۃ القلوب اور حارث محاسبی کی تصانیف کا بھی مطالعہ کیا۔ چونکہ یہ فن عمل سے تعلق رکھتا تھا اس لئے ان کا دل درس و تدریس سے ہٹ گیا اور عزلت کا خیال پیدا ہوا۔ اور آپ ان تمام مشاغل سے الگ ہوکر دمشق کی جانب ہجرت کرگئے۔ اور وہاں دو سال تک مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس کی جانب کوچ کرگئے۔ اور ایک زمانہ تک مجاہدہ میں مشغول رہے۔ پھر وہاں سے مقام خلیل گئے اور قبر شریف پر حاضر ہوکر تین باتوں کا عہد کیا۔

(۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں جاؤں گا۔

(۲) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لوں گا۔

(۳) کسی سے مباحثہ اور مناظرہ نہیں کروں گا۔

چنانچہ آخر وقت تک اس پر قائم رہے۔ پھر حج کے قصد سے حجاز تشریف لے گئے۔ بعد ادائے مناسک حج و زیارت وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔ غرض آپ نے دس سال صحرانوردی اور

ریاضت و مجاہدہ میں گزارے اور اسی مدت میں آپ نے احیاء العلوم جیسی بے مثال کتاب تصنیف فرمائی۔ وطن پہنچنے کے بعد بھی عزلت و خلوت آپ کا معمول تھا۔ لیکن تلاش معاش کی وجہ سے پراگندگی کا سامنا رہتا اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ زمانہ مذہب کی طرف سے متنزلزل ہو رہا ہے۔ فلسفہ اور عقلیات کے مقابلہ میں مذہب کی ہوا اکھڑتی جارہی ہے اور سلطان سنجر کی درخواست اور اس کے وزیر فخر الملک کا اصرار تھا کہ مدرسہ نظامیہ نیشاپور کی مدرسی قبول کریں۔ لیکن اس کے باوجود بھی عزلت چھوڑنے پر متامل تھے، احباب و صوفیائے کرام سے مشورہ کیا سب نے عزلت چھوڑنے کی رائے دی۔ بہت سے مقدس لوگوں کو خواب القا ہوا کہ یہ امر خوشنودی کا باعث ہے۔ ان تمام باتوں سے بڑھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ خدائے تعالیٰ ہر صدی کے آغاز پر ایک مجدد پیدا فرماتا ہے۔ اتفاق سے پانچویں صدی کے آغاز کو ایک ہی مہینہ باقی تھا۔ ان سب وجوہات کی بنا پر آپ نے ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں نظامیہ کے مسند تدریسی کو زینت بخشی۔

محرم ۵۰۰ھ میں فخر الملک کسی باطنی کے ہاتھ شہید ہوا۔ اس واقعہ کے چند دن بعد امام صاحب درس سے الگ ہو کر وطن واپس آگئے اور گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ و خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں آخری دم تک علوم ظاہری و باطنی کی تلقین کرتے رہے۔

امام صاحب کی شہرت و مقبولیت ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ چنانچہ ۵۰۰ھ میں نظام الملک کا بڑا بیٹا جو اس وقت محمد بن ملک شاہ سلجوقی کا وزیر تھا خلیفہ کو اس بات کی جانب متوجہ کیا کہ امام صاحب کو دوبارہ بلایا جائے اس سلسلہ میں امام غزالی کو بہت سے خط لکھے گئے مگر امام صاحب نے معقول عذر پیش کیا اور گوشۂ عافیت سے نہ نکلے۔ آخری عمر میں امام صاحب اگرچہ بالکل عابد مرتاض بنگئے تھے لیکن آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ کبھی ترک نہیں فرمایا۔ اصول فقہ میں مستصفی جو اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے ۵۰۴ھ کی ہے، جس کے ایک برس بعد امام صاحب کا انتقال ہوا۔

امام صاحب کی تصنیفات بکثرت ہیں۔ باوجود صحرانوردی اور شغل فتاوی نویسی کے تصنیفات گوناگوں مضامین پر مشتمل کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ آپ کی کل عمر ۵۵ سال ہے۔ آپ نے بیس سال کی عمر سے تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ جن میں مشہور تصانیف یہ ہیں المنقذ من الضلال، تنبیہ الغافلین، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، المنخول، تہافۃ الفلاسفہ، بدایۃ الہدایہ، ایہا الولد وغیرہ۔ آپ کے تلامذہ بھی کثیر تھے۔ خود امام صاحب نے ایکہزار کی تعداد بیان کی ہے۔ ان میں بعض بڑے نامور گزرے ہیں۔ محمد بن تومرت جس نے اسپین میں خاندان تاشقین کو مٹا کر ایک نہایت عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی اور علامہ ابو بکر جو علمائے اندلس میں شہرت عام رکھتے تھے۔

امام صاحب کی تصنیفات کے ساتھ جو اعتناء اہل یورپ نے کیا خود مسلمانوں نے نہیں کیا۔ مسلمانوں نے ان کی اکثر تصنیفات کو محفوظ رکھا اور ان پر شروح و حواشی لکھیں۔ لیکن یہ التفات صرف فقہ، اصول فقہ، تصوف اور اخلاق

سے تھا عقلیات کو کسی نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ آپ کی کتاب مضنون بہ علی غیر اہلہ، اس میں اجتہاد اور آزادرائی سے کام لیا گیا ہے۔ منخول جو اصول فقہ میں ہے یہ آغاز شباب کی کتاب ہے۔ اس میں امام صاحب کسی امام یا مجتہد کے پابند نہیں ہیں۔ اس عیب کی وجہ سے یہ کتابیں علماء کی نظر سے گر گئیں۔ لیکن یورپ نے ان کو بڑے اہتمام سے محفوظ رکھا جس میں امام صاحب نے فلسفہ اور شریعت کو باہم تطبیق دی تھی۔ مقاصد الفلاسفہ جس میں فلسفۂ یونانی کے مسائل کو ترتیب دیا گیا تھا اسلامی ممالک میں ان کا پتہ نہیں چلتا لیکن اسپین کے شاہی کتب خانے میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ المنقذ من الضلال میں آپ نے اپنے خیالات مذہبی کے تغیرات اور نبوت کی حقیقت لکھی ہے۔ یہ کتاب بھی مسلمانوں میں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھی گئی۔ اسی طرح اور تصانیف جو اسلامی ممالک میں نایاب ہیں یورپ میں ہے اور لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔

امام صاحب سے پہلے فن اخلاق کا معتد بہ ذخیرہ موجود تھا لیکن یہ فن اس لئے عام نہ ہو سکا کہ یہ کتابیں مشکل پسندی کی وجہ سے عام لوگوں کے استعمال کے قابل نہیں تھیں۔ دوسری طرف بڑی کمی یہ تھی کہ مذہبی پیرایہ نہیں رکھتی تھیں۔ اس لئے محدود فرقہ کے سوا عام میں رواج نہ پا سکیں۔ لیکن امام غزالی نے فلسفہ و مذہب دونوں کو ترکیب دیکر احیاء العلوم تصنیف فرمائی جس نے تمام نقائص پورے کر دئے اور اس کو اس درجہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ ایک طرف ائمہ اسلام نے اسکو الہامات ربانی سمجھا اور دوسری طرف ہنرلوئین نے اس کے متعلق تاریخ فلسفہ میں یہ لکھا کہ اگر ڈیکاٹ (جو یورپ میں فلسفۂ اخلاق جدیدہ کا بانی مانا جاتا ہے) کے زمانے میں احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہو چکا ہوتا تو ہر شخص یہی کہتا کہ ڈیکاٹ نے احیاء العلوم کو چرا لیا ہے۔ امام صاحب نے اسی پہ اکتفا نہیں کیا اخلاق میں فلسفہ کی آمیزش کی بلکہ نفس فن کو اس قدر وسعت دی کہ یونانیوں کا فلسفۂ اخلاق اس کے مقابلہ میں دریا و قطرہ کی نسبت رکھتا ہے۔

علم کلام کے ساتھ امام غزالی کو وہی نسبت ہے جو نسبت ارسطو کو منطق کے ساتھ۔ ابن خلدون نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ غزالی سے پہلے علم کلام میں فلسفہ کی آمیزش نہیں تھی۔ فلسفیانہ طرز پہ سب سے پہلے امام صاحب نے اس فن کو مرتب کیا۔

آپکے زمانے میں یونانی تصورات نے الحاد پھیلا رکھا تھا اور تصوف و فلسفہ کی آمیزش نے ایک ایسا مرکب بنا دیا کہ جسکے اندر ایرانی آتش پرستی عیسائی رہبانیت اور دنیا سے فرار اور ہر طرح کے قید و بند سے آزاد ہونے کا روحانی مزاج سبھی چیزیں موجود تھی۔

امام صاحب نے یونانی فلسفہ پہ کھل کر تنقید کی اور ان کا درجہ متعین کر کے ثابت کر دیا کہ وہ انسان کو کائنات کی حیثیت اور اس کے اندر خیر و شر کے مقصد کی وضاحت اور انسانی زندگی کو کسی معیار پہ پہنچانے کی صلاحیت بالکل

نہیں۔ وہ محض خیالات باطلہ اور لفاظی ہے۔ تصوف میں جو ایرانی عقائد اور فراریت آگئی تھی امام صاحب نے اس پر بھی تبصرہ کیا اور تصوف کی ایک ایسی شکل پیش کی کہ جس میں فرد کو جماعت سے پورا تعلق رکھنا پڑے اور ذاتی نجات کی جدوجہد میں زندگی کی تمام قدروں اور قانون الٰہی سے آزاد ہونے کی بجائے زندگی کے جذبات خیر کو رہنما بناکر شریعت کی پابندی کرے۔ امام صاحب کی یہ تنقید ہر زمانے میں صحیح اور غلط تصوف کی کسوٹی بن گئی۔

علمی حیثیت سے تصوف کو امام صاحب سے گہرا تعلق ہے تصوف کی کامل اصلاح اور رہنمائی آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ نہیں کہ انہوں نے صوفیوں اور علمائے اسلام کے درمیان اپنی تحریروں سے ایک مستقل رابطہ قائم کردیا بلکہ یہ ہے کہ وہ تصوف کے لئے اسلامی تہذیب کے ایسے پختہ معروف ور ذہنوں پر حاوی ہونے والے دلائل ڈھونڈھ لائے، جو نصابی فلسفے، منطق، دینیات کا سرمایہ تھے۔ امام صاحب سے پہلے جو کتابیں تصوف پر لکھی گئی تھیں، مثلاً قوۃ القلوب، رسالہ قشیریہ سب میں اخلاق کا ذکر ہے لیکن صرف نام لکھ دئے گئے ہیں۔ ان کی حقیقت بیان نہیں کی گئی ہے۔ امام غزالی پہلے شخص ہیں کہ اس میں عنوانات قائم کرکے عملی طور پر اس فن کو مدوّن کیا۔ اس طرح آپ نے آخری دم تک ہر طرح سے دینی اور علمی خدمت انجام دی جس کی وجہ سے زندگی ہی میں آپ کو حجۃ الاسلام کا لقب ملا۔ امام صاحب کو اولاد ذکور نہیں تھی۔ چند لڑکیاں تھیں جن میں ایک کا نام بنت المنیٰ تھا۔ ان کی اولاد کا پتہ دُور تک ملتا ہے شیخ مجد الدین محمد بن ابو طاہر جن کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے ممتاز فضلائیں ہوتا ہے، یہ بنت المنیٰ کی اولاد سے تھے،

امام صاحب نے ۱۴ ربیع الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طابران انتقال فرمایا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی وفات کی خبر اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ پیر کے دن صبح کی نماز کے بعد کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا، آقا کا حکم سر آنکھوں پر، یہ کہا اور پاؤں پھیلا دئے۔ لوگوں نے دیکھا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی،

رحمتہ اللہ علیہ۔

بقیہ صفحہ ۶۵ کلام پاک اقراء خواند محمود النساء ایجبا

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں مولانا کو عمر دراز اور صحت کلی سے نوازے تاکہ زیادہ سے زیادہ دنیا آپ سے استفادہ کرسکے۔ آمین!

ادارہ

سیدہ امۃ الواحد رحیم النساء عرف صاحبزادی بی صاحبہ
المشہور بہ پیرانی بی بنت سیدہ شاہ غوث
قادری رحمۃ اللہ علیہ
جن کی ولادت باسعادت ۸ رجب المرجب
سنہ ۱۳۳۳ھ مطابق سنہ ۱۹۱۵ء کو
مکان حضرت قطب ویلور میں
ہوئی۔ آپکی تعلیم و
تربیت گھر ہی میں ہوئی
اور ۲۹ ذی الحجۃ الحرام سنہ ۱۳۵۳ھ
مطابق سنہ ۱۹۳۴ء میں حضرت ابوالفتح
سلطان محی الدین سیدہ شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ
علیہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ جو آپکے
حقیقی تایازاد بھائی ہیں (بڑے چچازاد) کے ساتھ عقد سعید ہوا۔
گھر کا ماحول عالمانہ و صوفیانہ تھا جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ خاندانی
کمالات سے پورے طور پر متصف تھیں پیکر اخلاقِ حسنہ تھیں۔

آسمان قطب کا ایک روشن ستارہ حجاب میں

اور ہر ایک پر اسی طرح آپکا سایۂ کرم جلوہ فگن تھا۔
جس طرح ایک شفیق ماں اپنے بچوں پہ کیا کرتی ہے۔
صاحب تقویٰ و پابند شریعت غرّا ہر حال میں ذکر
حق میں مشغول رہنے والی، مہمان نوازی،
خاندانی شعار تھا خود فاقہ کرکے مہمانوں
کی مہمان نوازی اور سائلوں کی
جھولیاں بھرنا آپ کا
شیوہ تھا۔ قدرت
نے آپ کو بہت سی
بے مثال خوبیوں سے نوازا
تھا — احکام الٰہی کی روشنی میں
زندگی گزارنے والی ولیۂ کاملہ قانونِ ازلی
پر لبیک کہتے ہوئے ۱۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۶ھ مطابق
۹ جولائی سنہ ۱۹۶۶ء بروز شنبہ بوقت پونے ۹ بجے اپنے معبودِ
حقیقی سے جا ملی۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اسی دن شام میں خاندانی قبرستان میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔
آپ کے چہلم میں جناب سالک نائطی صاحب
نے ایک مرثیہ لکھا تھا جو آپکے
اخلاق و اوصاف کی حقیقی تصویر
ہے ہدیۂ ناظرین ہے۔

ادارہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

مرثیہ

بروفات حسرت آیات مفخر سادات بڑی پیرانی بی قدس اللہ سرہا العزیز

نامہ بر لایا ہے یہ کیسی خبر
کس کے غم میں رو رہی ہے کائنات
کیوں رُخِ گیتی پہ گردِ رنج ہے
کس لئے بادل بھی ہیں گریہ کناں
کس کا دل جلنے سے یارب بھر گیا
اب کہاں وہ نیک دل بی بی کہاں
چرخ دوں بھی کیا ستم ایجاد ہے
رنج پر یوں رنج ہم کب تک سہیں
آج تک سر پہ ہے اک بارِ الم
پھر ہُوا ہے ایک محشر سا بپا
ہائے وہ انیسویں مولود کی
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از الم
زخمِ دل پھر چھیڑ پر ناسور ہے
اب ہوائے زلفِ غم زنجیر ہے
وہ کہ جو تھیں رونقِ حضرت مکاں
ہائے اک ماں اس جہاں سے چل بسیں
چرخ کی اُف یہ ستم آرائیاں
سچ تو یہ ہے وہ دُرِ نایاب تھیں
غم کے گہرے داغ کا مرہم نہیں

بڑھ چلا ہے جس سے اب دردِ جگر
غنچہ غنچہ، بوٹا بوٹا ڈال پات
بن گئی فریاد کیوں آواز نے
کس کے غم میں رو رہا ہے اک جہاں
یا الٰہی! کون پردہ کر گیا
چھا گیا ہر سو قیامت کا سماں
اس کا اک اک جور اب تک یاد ہے
حالتِ دل کس سے ہم جا کر کہیں
یعنی خضر و عیسیٰ دوراں کا غم
چل بسیں پیرانی بیؒ باصفا
اک قیامت پھر سے سر پر آ گئی
تا بگویم شرحِ درد و رنج و غم
جس کو دیکھو فرطِ غم میں چور ہے
آنسوؤں میں درد کی تصویر ہے
وہ کہ جو تھیں چاہنے والوں کی مان
اک صفِ ماتم بہر سو بچھ گئی
تا بکے یہ امتحاں در امتحاں
سرپرستِ خانۂ اقطاب تھیں
زندگی اب موت سے کچھ کم نہیں

روز شنبہ کر گئیں وہ انتقال
مفخرِ سادات - سالک کیئے سال
۱۳۸۶ھ



بشو اوراق اگر ہمدرس مائی
کہ علم عشق در دفتر نباشد

محمد کازل تا ابد ہر چہ ہست
بآرائش نام او نقش بست

دورِ مجنوں گذشت و نوبتِ ماست
ہر کسے پنج روزہ نوبتِ اوست

گر من آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہِ عصمتِ اوست

گر عہد شکستیم و گنہ حافظ کرد
لطفِ او بیں کہ بصلح از درِ ما باز آید

در صومعۂ زاہد و در خرقۂ عابد
جز گوشۂ ابروئے تو محرابِ دعا نیست

یا رب بوقتِ گل گنہِ بندہ عفو کن
دریں ماجرا بسرو لبِ جوئبار بخش

یک ہمدم و ہمراز ندیدیم نفسے
یک مونس و غمخوار ندیدیم جز غم

در کون و مکاں نیست جز یک نور
ظاہر شدہ آں نور بانواع ظہور

ترا چناں کہ توئی ہر نظر کجا بیند
بقدرِ بینش خود ہر کسے کند ادراک

آنچناں بر دلِ من نازِ تو خوش می آید ۔ کہ ضلالت بکنم گر بہ کشی از نازم



از
محمد ابوبکر ملیباری
زمرۂ سابعہ
دار العلوم لطیفیہ ویلور

ناظرین! اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں مخالف طاقتوں نے اسلام کے خلاف صف آرائیاں کیں اور چاہا کہ سب دن کے لئے دنیا سے اسلام ختم ہو جائے۔ ابتداءً شرک کی کالی گھٹاؤں نے چاہا کہ ہر طرف اندھیرا چھا جائے اور ہمیشہ کے لئے نور اسلام ماند پڑ جائے لیکن ہر جگہ ہر حال میں کامرانی و فیروزمندی نے آگے بڑھکر اس کا خیر مقدم کیا۔

مخالفین نے شیدائیان اسلام کو دنیا کی بڑی سے بڑی دولتیں پیش کر کے چاہا کہ وہ اسلام سے پھر جائیں، لیکن اللہ کے دیوانے ساری چیزوں کو ٹھوکر مارتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور انھوں نے ذرا بھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ جب بھی مسلمانوں پر نازک سے نازک تر وقت آیا تو انھوں نے جان دیدی لیکن اسلام سے کبھی منہ نہیں موڑا۔ پوری زندگی ان کی اسلام کی خدمت کے لئے وقف رہی۔ اسلام نے کیسے کیسے مرد مجاہد کو پیدا کئے۔ اسکی ذرا سی جھلک ذیل کے واقعات سے معلوم ہوگی۔

اللہ تعالٰے اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً (سورۃ النساء)

(ترجمہ) اللہ تعالٰی نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر باعتبار اجر عظیم کے فضیلت دی ہے۔ وہ قدوس حق نواز انھیں اپنی طرف سے بڑے مرتبے عنایت فرمائے گا۔ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور اُن پر خاص رحمت نازل کرے گا۔ یہ امتیازی خصوصیت مجاہدین اسلام ہی کو حاصل ہے۔ اسلام نے ایسے ایسے مردان حق کو اعلائے کلمۃ الحق کے لئے پیدا کیا جنھوں نے حق گوئی اور بے باکی کے معاملہ میں نہ تو کسی حکمران کی پرواہ کی، نہ کسی جابر بادشاہ کی؟

فاتح یورپ موسیٰ بن نصیر وہ مرد مجاہد ہے کہ جس نے پورے یورپ پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ ایسے مایۂ ناز فاتح کا غلام طارق بن زیاد مٹھی بھر سپاہیوں کو ساتھ لیکر اسپین کی سرزمین پر اُترا اور کشتی جلا کر ہزاروں کے مقابلہ میں اپنی مختصر سی جماعت سے کہا تھا کہ لوگو! اس وقت اسپین کی سرزمین سے ہزاروں میل دور تمہارا وطن ہے اور جانے کی کوئی صورت نہیں۔ آج یا تو اسلام کے بلند ہونے والے پھریرے کو لہرانا ہے یا پھر جام شہادت پی کر رضائے الٰہی

اور حیات سرمدی حاصل کرتا ہے، اور دنیا کو بتا دیتا ہے، کہ مومن کبھی نہیں مرتا۔ ؎

طارق چوں برکنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست
دُوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم
ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر بُرد گفت
ہر مُلک مُلکِ ماست، مُلکِ خدائے ماست

جب ۹۲ھ ہجری میں طارق بن زیاد نے اسپین کی جیسی مسیحی سلطنت کو زیر کر کے وہاں اسلام کا جھنڈا لہرایا تو مسلمانوں کی اس فتح سے پورے یورپ میں ہلچل پیدا ہوگئی کہ اس نے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ اسپین کو فتح کیا۔

سلطان بایزید یلدرم آٹھویں صدی ہجری کا وہ مایۂ ناز مجاہد ہے کہ جس نے اپنے مجاہدانہ کارناموں سے قرونِ اولیٰ کے سرفروشوں کا دم تازہ کیا۔ یہ جانباز مردِ مجاہد پندرہ ۱۵ سال تک تنہا پورے یورپ سے لڑتا رہا اور اس نے ایک ہی معرکہ میں پورے دس بارہ سلطنتوں کو ایسی شکست دی جسے آج تک اہلِ یورپ یاد کرتے ہیں۔

یورپ کا نامور مؤرخ مسٹر گبن اس مایۂ ناز فاتح کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطان بایزید یلدرم کے باپ سلطان مراد کی عہدِ حکومت تاریخ آلِ عثمان کے اہم ترین عہدوں میں شمار کیا جاتا ہے، جس نے ان نامور ملکوں، بلغاریہ، سرویا اور بوسینیا پر دولتِ عثمانیہ کا پھریرا لہرایا تھا۔ لیکن اسلام کا مایۂ ناز فرزند بایزید یلدرم اپنے باپ سے بھی بازی لے گیا۔ جس نے مختصر سی فوج سے اٹلی، فرانس، انگلستان، آسٹریا، ہنگری، پولینڈ، جرمنی، ایشیا، بوسینیا، اور یورپ کے تمام متحدہ طاقتوں کو تن تنہا شکست دی تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اس مردِ مجاہد نے جو کارنامے انجام دئے، اور جن جذبات کو لیکر یورپ میں داخل ہوا، تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ؎

دی اذاں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

اسلام کے جاں فروش فرزندوں نے دینِ حق کی خدمت کے لئے اپنی کسی چیز کی پرواہ نہ کی اور تلواروں کی چھاؤں میں زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔ آپ اپنے اسلاف کے ان مشہور ترین فاتح و مجاہد کا مطالعہ کریں۔ جنہوں نے ظلم اور جبر کی بساط اُلٹ کر توحید، عدل اور انصاف کا پرچم لہرایا۔ مجاہدِ اعظم حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی کا وہ معرکۂ عظیم جو عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا تھا اور جس میں مسلمانوں

کو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی تھی توحید دشمن طاقتوں کے مقابلہ میں حق کے لئے قربانی ان کا نصب العین تھا، فتح بیت المقدس کے بعد عظیم الشان بندرگاہ عکہ کو عیسائی حکومتوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کیا اور اس بندرگاہ کو فوجی نقطۂ نظر سے مستحکم و مضبوط کرنے کے بعد نصرانی بادشاہ گوئی کو جنگ حطین میں گرفتار کیا۔ گوئی نے ایکمرتبہ سلطان سے غلط گوئی سے کام لیا تو سلطان نے اسکو انجیل پہ ہاتھ رکھا کر اپنے مطیع و منقاد بننے کا حلف لیا اور رہا کر دیا۔ رہا ہونے کے بعد اس نے غداری کی اور سلطان سے اعلان جنگ کر دیا اور دس ہزار فوجیں لیکر مقابلہ کے لئے اُتر آیا۔ اور اس نے سوچا کہ تمام صلیبی دنیا اس کے مدد کو آئیگی۔ چنانچہ یورپ کے تمام نصرانی حکومتوں نے اپنے لاکھوں سپاہیوں کو اس جنگ میں بھیجے اور تمام عیسائی بادشاہوں نے بھی اپنی شرکت کا اعلان کر دیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی پورے غور و تدبر سے دشمنان اسلام کی تدابیر کا جائزہ لیتے رہے اور آخر میں سلطان المجاہدین صلاح الدین ایوبی نے بھی اپنی فوجوں کو بڑی احتیاط کے ساتھ مختلف راستوں سے عکہ کی طرف روانہ شروع کر دیا۔ اور خود بھی عکہ پہنچ گئے۔ سلطان جس طرح ایک پرجوش مجاہد تھے اسی طرح ایک اعلیٰ دماغ کے سپہ سالار بھی تھے۔ یکم شعبان ۵۸۵ھ کی مبارک سحر طلوع ہوئی۔ یہ جمعہ کا مسعود دن تھا۔

سلطان نے جمعہ کی نماز کا خطبہ دیا جس میں فضائل جہاد بیان کئے اور اس خطبۂ نماز میں مجاہدین کے جذبات کو روح ایمانی سے لبریز کر دیا۔ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی مجاہدین اسلام نے صلیبی فوجوں پر تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے حملہ کیا۔ اور بڑی بہادری کے ساتھ قلعہ عکہ کے دروازے کو مسلمانوں کے استقبال کے لئے کھول دیا۔ عکہ کی اس پہلی جنگ میں نصرت الٰہی سرفروشان اسلام کے ساتھ رہی اور مجاہدین اسلام اپنی فتح و نصرت کا اسلامی پھریرا عکہ پہ لہرایا۔ !!





از ادارہ

دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے چند قابل فارغین علماء کا مختصر لفظوں میں تعارف ناظرینِ اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

مولانا محمد قاسم صاحب حیدرآبادی شیخ المنطق مدرسہ نظامیہ حیدرآباد۔

مولانا محمد قاسم حیدرآبادیؒ شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ میں حصولِ تعلیم کے لئے داخل ہوئے اور قابل اساتذۂ روزگار کی خدمت میں رہ کر آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر پھر اپنے وطن واپس تشریف لے گئے اور مدرسۂ نظامیہ میں مسندِ تدریس پر فائز ہوئے اور بحسن و خوبی تدریس کے کام انجام دیتے رہے۔ اور وہیں سے آپ شیخ المنطق سے مشہور زمانہ ہوئے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمالِ علمی سے نوازا تھا اسی طرح صاحب تقویٰ بھی بنایا تھا۔ حیدرآباد میں اس وقت محبوب علیخاں پاشا کی حکومت تھی، بادشاہِ وقت آپ کے علمی کمال، تقوےٰ، پرہیزگاری سے بہت متاثر ہو کر آپ کو اپنے یہاں بلوایا۔ جب آپ بادشاہ کی خدمت میں پہونچے تو بادشاہ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے آپ سے درخواست کی۔ مولانا صاحب محتاط ہونے کے ساتھ ساتھ خوددار بھی تھے۔ جواب میں کہا ان بچوں کو روزانہ میرے گھر روانہ کیجئے۔ میں وہاں ان کو تعلیم دوں گا، شاہی محل میں آ کر فرائضِ تعلیم انجام نہیں دے سکتا۔ بادشاہ دانا و بینا تھا جواب پسند آیا قبول کر لیا اور بچوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ استاد کے گھر جا کر ان کی کفش برداری کرو اور علم حاصل کرو۔

شاہی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شاہزادے روزانہ مولانا کے گھر آتے اور کمال شوق سے تعلیم حاصل کرتے۔ چند سالوں کی محنت میں بچے علومِ عربیہ کے اچھے قابل اور بصیرت والے بن گئے۔

شہاب الدین ابوالسعادت مولانا احمد کویا الشالیانی ملیباریؒ

شیخ الادب دارالعلوم لطیفیہ،

آپ نے شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد

قادری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں قابل اساتذہ کے زیر سایہ رہ کر علوم عقلیہ نقلیہ کی تحصیل کی اور ایک زمانے تک دارالعلوم ہذا ہی میں مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے، آپ عربی کے زبردست ادیب و شاعر تھے۔ ایکبار کا واقعہ ہے آپ کے گھر ایک عرب ادیب مہمان ہوئے۔ شب میں دیر تک عربی کی ادبیت و شاعری پر گفتگو ہوتی رہی۔ مہمان موصوف کے سو جانے کے بعد رات ہی میں آپ نے چند اشعار لکھے اور صبح میں عرب ادیب کو دکھایا۔ اُن نے کہا یہ اشعار کسی عربی نژاد کے معلوم ہوتے ہیں۔ جب آپ نے اس سے یہ کہا کہ یہ اشعار میرے ہیں تو وہ حیران رہ گیا۔ کہ ایک ہندی بھی ایسا فصیح و بلیغ کلام کہہ سکتا ہے۔ مہمان مذکور اسی وقت سے آپ کی ادبیت اور قادر الکلامی کا قائل ہوگیا اور بہت داد دی۔

اسی طرح ایک مرتبہ نظام حیدرآباد نواب عثمان علیخاں کی خدمت میں ایک تہنیت نامہ عربی نظم میں سلور جوبلی کے موقع پر روانہ کیا۔ اسے دیکھ کر نظام نے بیحد پسند کیا اور بہت خوش ہوا۔ اس خوشی میں اس نے ماہانہ سو روپئے وظیفہ آپ کے نام جاری کر دیا۔ اس کے علاوہ مختلف موقعوں پر آپ نے بہت سے اشعار کہے ہیں شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ جن سے آپ کو بیعت و خلافت حاصل تھی ان کی شان میں قصائد کہے ہیں اور شمس العلماء حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری لقوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ایک بلیغ مرثیہ لکھا۔

عربی ادب کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ، ہیئت، توقیت معانی بیان، عروض وغیرہ میں بھی آپ کو کامل درک تھا۔ ایکمرتبہ کا واقعہ ہے کہ ملیبار میں کسی عالم نے یہ اعلان کیا کہ ملیبار کی کوئی مسجد بھی صحیح قبلہ کی جانب نہیں۔ لہٰذا تمام مساجد کو توڑ کر ازسرنو اسکی تعمیر کروائی جائے۔ اس کے متعلق بہت زیادہ بحثیں ہوئیں۔ اس وقت آپ نے ایک رسالہ تحویل قبلہ پر عربی میں جامع اور مدلل لکھا اور اسی سال یعنی سنہ ۱۳۲۳ھ میں جب مدراس سے شائع ہوا تب لوگ اسے دیکھ کر مطمئن ہوئے اور فتنہ دفع ہوا۔ رسالۂ مذکور کے چند نسخے کتب خانۂ لطیفیہ حضرت مکان میں موجود ہیں۔ چند اشعار نمونۃً ناظرین اللطیف کے لئے حاضر ہیں۔ یہ اشعار آپ نے سنہ ۱۳۳۹ھ میں مولانا شاہ حکیم غلام غوث شریف کی فرمائش پر حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر لقوی رحمۃ اللہ علیہ کی سجادہ نشینی میں حضرت کی شان میں لکھے تھے ؎

هناكم اليوم بالاقبال تبشير
اهلاً وسهلاً حوى التصبير تبصير
يأبى المكان ولو جار الزمان ورسى
ومرّ ان لا يكون الفيض تنوير
بسّام ثغر ودمّاع العيون اتى
حبا كذا فلتكن هذى المآثير
جا دهر شيدٍ مضى بالهدم صادره
بمولم شابه بهج وتنفير
الاّ اذا غاب شمس بدره طلعا
انا الى رفده وفد مناشير

ناب الدواهي وان مزقت اكبدنا
عاقبت سبلاً به للروح تصوير
يبدو الينا ببرء الآن فهو سلا
الحاق سر ابيد منه تيسير
سيار فضلك شمس ان بيت كم
سيادة جادها بالنص تطهير
دام المولى ظليلا في نظا ونه
واني وان اقلع الوسائي تقدير
احل سنه حرم كانجد في حرم
حصن بعبد لطيف قدسه الخبير
باديت فتحاً وفيضاً مثل جدكم
احلى وذاك لنا شيخ ومعطير
دار العلوم به باهت لطيفيه
باني لركن الهدى والدين مشكير
سهاط سرك مكي وذا مدني
قامت جواهره الحسنى تذاكير
ها شيخ ازهر في ارخين خاتمه
ها عنه منهج مختار تعبير

۱۳ - ۳۹ھ

مولانا عبدالقادر کلوی

آپ شمس العلماء مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری مکی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں قابل اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر تحصیل علم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابتداءً آپ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ کمزور تھے اور ذہنی صلاحیت بھی قابل اعتماد نہ تھی۔ کتاب اچھی طرح نہ سمجھ میں آنے کی وجہ سے بہت زیادہ پشیمان رہتے تھے۔ ایک روز کیا خیال آیا کہ مزار اقطاب ویلور پر جو متصل دار العلوم ہے جاکر کتابیں یاد کرنے اور مطالعہ کرنے میں مصروف ہوئے۔

عنایت ربی اور بزرگوں کے فیض سے کتابیں سمجھ میں آنے لگیں۔ اس دن سے آپ نے اپنا ہر دن کا یہی معمول بنا لیا کہ ہمیشہ مزار ہی کے پاس کتابیں دیکھتے۔ بالآخر بزرگوں کے فیض نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ کہ چند ہی دنوں میں اپنے ممتاز ساتھیوں کے دوش بدوش نظر آنے لگے۔ ایام تعلیم ہی سے آپ بہت دنوں تک دار الافتاء دار العلوم لطیفیہ کے رکن رہے۔ نیز یہ روایت بیان کیجاتی ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد آپ نے حدیث کی کسی کتاب کی شرح لکھی جو مصر میں چھپی اور وہاں کے علماء میں بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ اس کتاب کو دیکھکر وہاں کے علماء نے آپ کو مصر آنے کی دعوت دی تھی۔

مولانا سید شاہ شہاب الدین قادری ترچناپلی

معاونِ ناظم دار العلوم لطیفیہ

آپ شمس العلماء حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری مکی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ۱۹۱۲ء میں ۱۵ سال کی عمر میں دار العلوم لطیفیہ میں داخل ہوئے اور انہیں کے زیر سایہ قابل اساتذہ کے پاس تحصیل علم میں مصروف رہے اور ۱۹۲۰ء میں مدرسہ ھذا سے فارغ ہوئے اور اسی سال ستائیس رمضان

کو بھی حضرت کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ دار العلوم ھٰذا میں تدریس کے ساتھ نائب ناظم کی حیثیت سے بھی مدرسہ کی خدمات انجام دیتے رہے، اور افتاء کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ چند اہم فتوے، جو آپ نے مرتب کئے قابلِ دید اور اس زمانہ کے لحاظ سے بہت مناسب ہیں اور وہ یہاں کے دار الافتاء میں محفوظ ہیں۔

یہاں کی خدمات سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے ترنامل جو آپ کی سسرال اور بعد میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ وہیں کپڑے کی تجارت شروع کی اور ایک زمانے تک یہی ذریعۂ معاش رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ بزرگان مکان کی خدمات کا بھی شرف حاصل کرتے رہے۔ بزرگانِ مکان کی ہر خوشی وغمی میں برابر شریک رہے اور اپنی محبت وخلوص کا ثبوت دیتے رہے۔ موصوف کو بزرگانِ مکان سے خاص قلبی لگاؤ رہا اور تا زیست مداح وممنون رہے۔

آپ ۱۹۶۵ء مطابق ۱۳۸۵ھ میں طویل علالت کے بعد اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" اور ترنامل ہی میں عیدگاہ کے پاس والے قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔!

مولانا شاہ محمد غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی

شیخ الادب جامعۂ دار السلام عمر آباد۔

آپ شمس العلماء حضرت مولانا محی الدین شاہ عبد اللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دار العلوم لطیفیہ میں داخل ہوئے اور حضرت ہی کے زیرِ سایہ قابل اساتذہ کی خدمت میں رہ کر علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کی۔ اساتذہ کی عنایت اور بزرگانِ مکان کی توجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے کمالات سے نوازا ہے۔ عربی، فارسی، اردو کے اس وقت آپ زبردست ادیب ہیں۔ فارسی، اردو کے بہترین شاعر ہیں۔ خاص کر لغاتِ عربیہ پر بڑی گہری محققانہ بصیرت رکھتے ہیں۔ آپ جنوب کی علمی ذی مقتدر ہستی ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں آپ دار السلام عمر آباد میں منصب تدریس پر فائز ہوئے اور ایک زمانہ تک پرنسپل کے خدمات بھی انجام دیتے رہے اور ہنوز وہیں علمی خدمات کر رہے ہیں۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے استفادۂ علمی کیا اور ملک کے ہر خطے میں تقریباً اور بیرونِ ملک بھی آپ کے شاگرد خدمتِ علم و دین میں مصروف ہیں۔

علم تصوف وحقائق میں کامل درک حاصل ہے۔ یقیناً آپ کی شخصیت حقیقت شناس صاحب بصیرت ہے۔ آپ نے حضرت مولانا ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین مکان حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت وخلافت حاصل کی۔

چند اشعار اردو اور فارسی کے مطالعۂ ناظرینِ اللطیف کے لئے درج ذیل ہیں۔

جب تک میرا وجود اسیرِ قیود تھا
میں جاہلِ حقیقت و سرِّ وجود تھا
کچھ صبر کر کے دیکھ تو لینا تھا اے کلیم
جلووں کو انکے آپ ہی شوقِ نمود تھا

شاکرؔ سے شرطِ بندگیٔ بت ادا ہوئی
فردِ خدا وہ دیر میں وقفِ سجود تھا۔

ہم نے کی اس کی جستجو دل میں — مل گئی دل کی آرزو دل میں
ایسی صورت ہے ہو بہو دل میں — جیسے بیٹھا ہوا ہے تو دل میں
اُف رے یہ عشق کی بلانوشی — نام کو بھی نہیں لہو دل میں
عشق رُسوا مزاج ہے شاکرؔ
تا بکے ذوقِ آبرو دل میں!

حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری برادرِ خورد اعلیحضرت کے عقدِ سعید کے مبارک موقع پر جو سہرا لکھا تھا اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

عالمِ امکان پہ چھائی ہے مسرت کی گھٹا
کیوں نہ ہو ہے اک گلِ باغِ سیادت خندہ زن
یعنی تختِ نوشہی پر ہو گیا ہے جلوہ گر
صفوۂ سادات سید شہ محمد بوالحسن
کیوں نہ ہو یہ اک جگر گوشہ ہے ایسی ذات کا
جو تھی وجہِ آفرینش اور حبیبِ ذوالمنن
روشنی ہی روشنی پھیلی ہے ان کی ہر طرف
نور سے معمور اک ویلور کیا سارا دکن
کہہ دیا شاکرؔ نے برجستہ یہ سن تقریب کا
جشنِ صدرالدین سید شہ محمد بوالحسن
۱۳ ھ ۷۰

اور یہ چند اشعار آپ نے حضرتِ موصوف کی صاحبزادی

بی بی اُمۃ الحی عُرف بی جانی کی ولادت

کے بعد نام زدگی کی رسم کے موقع پر کہا تھا۔

شمع روشن ہے بوالحسن کے گھر — مرحبا مرحبا زہے دُختر
دل کا اک پارہ آنکھ کا تارا — دل کی راحت کا مایۂ نورِ نظر
کیا مبارک ہے طلعتِ نوزاد — اللہ اللہ خوش ہے سارا گھر
عمر اسکی خُدا دراز کرے — عمر بھر ہو یہی دعائے خضر
فکرِ تاریخ ہے اگر شاکرؔ
کہہ دو اب جاں نوازِ لختِ جگر
۱۳ ھ ۷۱

اپنے شیخ حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر جو مرثیہ لکھا تھا اسکے چند اشعار درج ذیل ہیں

؎

شاہ بوالفتح سید السادات — ذات تھی جنکی پاک و نیک صفات
یعنی سلطان محی دین متیں — عبد قادر ولیِ ذی تمکیں
چل بسے بارھویں محرّم کو — داغِ فرقت وہ دے گئے ہمکو
ایسے کیا انتقال کرتے ہیں — مرنے والے بھی ساتھ مرتے ہیں
مرگ تنہا نہیں یہ وہ غم ہے — موتِ عالم کی موتِ عالِم ہے
قطبِ ویلور کے وہ ہوتے تھے — ان سے نسبت میں خاص ہوتے تھے
عبد کے اوصاف میں مکمل تھے — اوّل آخر تھے آخر اوّل تھے
شیخ کامل مکمّل و اکمل تھے — حق شناسوں میں صاحبِ دل تھے
پیرِ روشن ضمیر تھے وہ تو — عاشقِ دستگیر تھے وہ تو
ہفت ساعت تھی اور بدھ کا دن — دن نکلتے ہی جبکہ ڈوبا دن

نِکلا سُورج بھی تھرتھراتا ہُوا منظرِ غم میں تلملاتا ہُوا
اللہ اللہ! کیا وہ ہستی تھی زندگی جسکی حق پرستی تھی

موت غم ہم کو دینے آئی تھی
مغفرت ان کو لینے آئی تھی

ذیل میں فارسی کے چند اشعار درج کئے جارہے ہیں

ؔ

مشو نومید از دیدارِ روشیں در حجابش ہم
شعاعے راگبیرد بند با تارِ نگہ آنجا

~~~

مَن بسے آوارگیہائے چمن را دیدہ اَم
ہر زماں نا دیدنیہائے زمن را دیدہ ام
ماتم افزا غربتِ اہلِ وطن را دیدہ اَم
ہر ستم آرائی چرخِ کہن را دیدہ ام
دیدۂ حیرانِ من آئینۂ صد عبرت ہست
اندرونِ ایں مرقع منعکس ہر صورت ہست

ذیل کے چند اشعار بھی جناب مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری کے عقدِ سعید کی ہمایون ساعت میں آپ نے تحریر فرمایا تھا ؎

امروز ابوالحسن کہ خنداں باشد خوش بخت کہ کار را دبساماں باشد
در گلشن عشرتش وزید نسیم بر وفق مرادِ گل بداماں باشد
از دیدۂ حق نگہ چو روشن بینی بینی بہ رخش کہ نورِ یزداں باشد
در دیدۂ او بیچے ہمہ غیب شہود دریاب کہ مشکل تو آساں باشد
در سایۂ او بیا کہ نور بینی شمع ہست بہ حق کہ زیرِ داماں باشد

سنہ ۱۳۷۵ھ میں جب مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جملہ بھائیوں کو خرقۂ خلافت عطا کیا تھا۔ اس وقت مولٰنا موصوف نے نظم لکھی، اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

بو الفتح عبدِ قادر سر آمدِ سیادت
سلطان چو محی دین ہست در موطن ولایت
او بوریا نشیں کو بوئے ریا نہ دارد
در جملہ کار ہائش اخلاص حسن نیت
ظاہر برنگِ باطن باطن بشکل ظاہر
دارد دو روئے معنی چو ظہر و بطن آیت
شاکر چرا دریں جا در پیچ و تاب فکری
بنگر بدستِ ایشاں پروانۂ خلافت
۱۳ ھ ۷۵

~~~

اور ۲۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۸ اگست سنہ ۱۹۶۲ء بروز شنبہ ناظم دارالعلوم ہٰذا کی صاحبزادی بیگم پاشا کی بسم اللہ خوانی کی تقریب کے موقع پر جو نظم کہی تھی اس کے بھی چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

تماشا کن تماشہ قصۂ غارِ حرا اینجا
شنیدستی خبرہا، باز آمد مبتدا اینجا
کدام ہست آنکہ تلقین میکند آں وحی اول را
بزرگے کو بجبریلِ امیں ماند بجا اینجا
محمد مصطفٰے معصوم بود و ایں صبیہ را
بحد عصمتش ہم بدو قرأت شد روا اینجا
سنِ ہجری چہ خوش تر گفت شاکر از پئے فکرش

جہاد کی فضیلت

از
سید محمد انوار اللہ لطیفی تورگل
متعلم زمرہ تاسعہ دار العلوم لطیفیہ

۶۸۹
۹۲

دنیا کے اندر جتنی بھی شریعتیں آئیں اور جتنے بھی مذاہب میں یا جو بھی تمدنی و تہذیبی اصول بنائے گئے ان میں احترام نفس اور اسکی حفاظت فرض اوّل قرار دیا گیا اور جو بھی جنگیں ہوئیں اس میں بھی کسی نہ کسی طرح حفاظتِ جان مقصود ضرور ہے۔

جو اصول و قانون خواہ مذہبی ہوں یا سیاسی، اگر اس میں حفاظت و احترامِ نفس کو نظر انداز کر دیا گیا تو یقین مانئے ایسے اصول و قوانین انسان و انسانیت کیلئے نہیں اور نہ اسکو انسانی دنیا میں ثبات و استحکام ہے۔ اسلام نے جو جہاد کا حکم دیا ہے وہ سراسر احترام و حفاظتِ نفس انسانی پر مبنی ہے۔ اسلام نے کسی بھی حال میں اس کو نظر انداز کرنا سخت جرم تصور کیا ہے اور ایسے نفس کو چھوڑ دینا بھی جرم قرار دیتا ہے جو انسانیت کے لئے مضر ہو۔ چنانچہ قرآن عظیم کا ارشاد ہے لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

جہاد کا مادہ جَہد یا جُہد جس کے معنی طاقت، مشقت، وسعت کے ہیں۔ جہاد و مجاہدہ کہتے ہیں دشمن کی مدافعت میں پوری طاقت کو صرف کرنے کو۔ یہ دشمن خواہ شیطان ہو، یا کفار ہو، یا اپنی سوسائٹی یا خود اپنا نفس ہو۔ چونکہ یہ بھی بڑا دشمن ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک غزوہ کے واپسی پر آپ نے ارشاد فرمایا رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ!

اب ہم جہاد اصغر سے جہادِ اکبر کی جانب لوٹ رہے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جہادِ نفس کو جہادِ اکبر اسلئے فرمایا کہ مومن کو کفار سے جہاد کی ضرورت تو کبھی کبھی پیش آتی ہے لیکن اپنے نفس سے وہ ہر وقت جہاد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اس پر ایک حق واجب کرتی ہے، جس کا ادا کرنا اس کیلئے ضروری ہے۔ اس حق کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے شکر اور بندوں کے ساتھ احسان کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔ اللہ پاک کی ان بے شمار نعمتوں کے حقوق کی ادائیگی اس کے نفس پر سخت شاق گزرتی ہے۔ اس لئے اسے اپنے نفس کے ساتھ ہر وقت برسرِ جنگ رہنا پڑتا ہے۔ اس جہادِ نفس کے بعد دوسرا درجہ سوسائٹی سے جہاد کرنے کا ہے کبھی مردِ مومن کو کسی سنّت کو زندہ کرنے یا کسی بدعت کو مٹانے کے لئے اپنے ہی دینی بھائیوں کے مقابلہ میں، سینہ سپر ہو کر کھڑا ہونا پڑتا ہے اور طرح طرح کی تکلیفیں،

معتبیں اسے اپنے بوڑھوں کے ہاتھوں پہنچتی ہیں۔ اس لئے ان پر زیادہ گراں گذرتی ہیں [illegible] مختلف بنیادوں کے اعتبار اور وسائل کے اعتبار سے بھی جہاد کو تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

جہاد بالسنان جہاد باللسان

جہاد بالمال یعنی ہتھیار، زبان یا مال سے جہاد کرنا

(قاموس القرآن ومفردات امام راغب) جہاد خواہ نفس وشیطان یا کفار اعدائے دین سے ہو، قرآن عظیم اور احادیث کریمہ کے اندر اسکی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے اور ہر موقع پہ قرآن واحادیث میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیدایانِ اسلام کو اسکی ترغیب دلائی ہے۔ جہاد ہی وہ بلند عبادت ہے جس میں قتل ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے زندۂ جاوید کہا اور انکی مقبولیت کو سب سے زیادہ بتایا ہے چنانچہ ذیل کے آیات واحادیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح مختلف انداز میں اسکی فضیلت اور اہمیت پر روشنی ڈالی ہے!

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (صف)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے، وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور اسکی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہترین کام ہے اگر تم جانو۔

اور ایک مقام پر خدائے پاک کی راہ میں لڑنے والوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (صف) (ترجمہ)

اللہ پاک ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھے ہوئے جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ اور جسکی بلندی وشان وشوکت اور عظمت کی گواہی اس شان سے دی ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ۔ (توبہ)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو ان لوگوں کے کام کے برابر ٹھیرایا ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں لڑے؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اللہ ظالم لوگوں لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے

حق کے خاطر گھر بار چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے ان کا درجہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے اور وہی لوگ ہیں جو حقیقت میں کامیاب ہیں اور ایک جگہ یوں بیان فرما رہا ہے اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (انفال)

اور جو لوگ ایمان لائے وطن چھوڑ گئے اور خدا کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے۔ اور ایک مقام پر ان کی شان میں یوں خبر دے رہا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقر) اور تم ان لوگوں کو ہرگز مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم اس حقیقت کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ ان کو ہرگز مرا ہوا نہ سمجھو بلکہ شہید ہو جانے کے بعد اللہ کی طرف سے ان کو خاص زندگی ملتی ہے اور ان پہ طرح طرح کی نعمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے جیسا کہ خداوند قدوس کا فرمان ہے،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ

(سورہ آل عمران)

جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے دین کے راستہ میں) مارے جائیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے پاس ان کو طرح طرح کی نعمتیں دی جاتی ہیں، اور ان کو کیسے کیسے انعامات ملیں گے اس کا اندازہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کیا جا سکتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جنتیوں میں سے کوئی شخص بھی یہ نہ چاہے گا کہ اس کو پھر دنیا میں بھیجا جائے۔ اگرچہ ان سے کہا جائے کہ تم کو ساری دنیا دے دی جائے گی۔ لیکن شہید اسکی آرزو کریں گے کہ ایک دفعہ نہیں ان کو دس دفعہ پھر دنیا میں بھیجا جائے تاکہ ہر دفعہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو کے آئیں۔ انھیں یہ آرزو شہادت کے مراتب اور اس کے خاص انعامات دیکھ کر ہو گی

ایک حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، شہید کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے چھ انعام ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ فوراً ہی بخش دیا جاتا ہے اور اس کو جنت میں ملنے والا اس کا مکان و مقام دکھا دیا جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ قبر کے عذاب سے اس کو بچا دیا جاتا ہے

تیسرے یہ کہ حشر کے دن کی اس سخت گھبراہٹ اور پریشانی سے اس کو امن دیا جائے گا جس سے وہاں سب بدحواس ہوں گے اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ چوتھے یہ کہ قیامت میں اس کے سر پر عزت و وقار کا ایسا تاج رکھا جائے گا جس میں کا ایک یاقوت تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ پانچویں یہ کہ جنت کی حوروں میں سے ۷۲ اس کے نکاح میں دی جائیں گی،۔

چھٹے یہ کہ اسکے قرابت داروں سے ستر کے حق میں سفارش قبول کی جائے گی۔

ایک حدیث میں ہے سردار دو عالم نے ارشاد فرمایا شہید ہونے والے کے سب گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں، البتہ اگر کسی آدمی کا قرض اسکے ذمہ ہوگا تو اس کا بوجھ باقی رہے گا۔



آسمانی کتابوں میں آخری کتاب قرآن عظیم ہے جو نبی آخر الزّماں خاتم الانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ خالق کائنات نے نازل فرمایا ہے۔ تمام نازل ہونے والی کتابوں میں سب سے زیادہ جامع اور کامل ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی کتاب نہیں کرسکتی۔

یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ہر زمانے کے لئے قیامت تک کیلئے نازل کی گئی۔ جس کے اندر کسی قسم کے اختلافات نہیں اور نوعِ انسانی کے لئے اس سے کامل تر کوئی دستورِ حیات نہیں۔ جسطرح یہ اپنی فصاحت وبلاغت میں بلند تر ہے کہ ہر زمانے میں فصحاء وبلغاء عرب اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے۔ اس طرح یہ ہر مسائل انسانی کے حل کے لحاظ سے جملہ کتابوں سے ممتاز ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ ہر حیثیت سے بالکل حق ہے کہ فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم من دون الله ان كنتم صادقين ترجمہ۔ یعنے اگر اللہ کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہ نازل شدہ قرآن کے بارے میں تمہیں کوئی شبہ ہے تو اس کے مثل کوئی سورت بنا کر لاؤ اور اللہ کے ماسوا اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

قرآن کا نام فرقان بھی ہے جسکے معنی ہیں حق وباطل کے درمیان فرق کرنا۔ نزول قرآن سے پیشتر یہود ونصاریٰ اور ہر خطہ زمین میں بسنے والے انسان ہستی باری تعالیٰ کے متعلق مختلف الرائے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں صحیح وصالح تمدنی ومعاشرتی زندگی ناپید تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ہدایت انسانی کے لئے قرآن عظیم کو نازل فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے تبارك الذى انزل فيه الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرًا ؕ یعنے مبارک ہے وہ ذات جس نے تمام حق وباطل کے درمیان تمیز پیدا کرنے والی کتاب کو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل فرمایا کہ تمام عالم کے لئے وہ نذیر ہو۔

جب قرآن دنیا میں پھیلا اور غیروں نے بھی اس کا مطالعہ کیا اسکی گہرائی میں ڈوبے تو اسکی عظمت وعلو شان کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اَلْفَضْلُ مَا شهدت به الاعداء اور ان کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ قرآن ہی ہے جو تمام دنیا کے انسانوں کو ایک کامیاب زندگی عطا کرسکتا ہے اور ان میں صالحیت پیدا کرسکتا ہے

ذیل میں ہم چند غیر مسلم مفکروں کے خیالات جو انہوں نے قرآن مجید کے متعلق ظاہر کئے ہیں پیش کر رہے ہیں ــــ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے خود آپ اپنی عظمت غیروں سے بھی منوائی ہے جو اس کے معجزہ ہونے پر بیّن ثبوت و دلیل ہے۔

(۱) قرآن مسلمانوں کی ایک مذہبی کتاب ہے جسکی نسبت ان کا یہ خیال ہے کہ اسکو خدا نے نازل کیا ہے۔ یہ کتاب عالم انسانی کی رہنمائی کیلئے ایک بہترین راہبر ہے۔ اسمیں تہذیب ہے، شائستگی ہے، تمدن ہے، معاشرت ہے اور اخلاق کی اصلاح کے لئے ہدایت ہے۔ اگر صرف یہ کتاب دنیا کے سامنے ہوتی، اور کوئی ریفارمر پیدا نہ ہوتا تو یہ عالم انسانی کی رہنمائی کے لئے کافی تھی۔ ان فائدوں کے ساتھ ہی جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ یہ کتاب ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش کی گئی تھی جبکہ ہر طرف آتش فساد کے شرارے بلند تھے۔ خون خرابہ، ڈاکہ زنی، کی تحریک جاری تھی اور فحش باتوں سے بالکل پرہیز نہ کیا جاتا تھا تو اس کتاب نے ان گمراہیوں کا خاتمہ کیا۔ (دی لائف آف ریلیجن صفحہ ۱۴۸)

(۲) قرآن عقائد و اخلاق اور نیز ان پر مبنی قوانین کا ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں ایک وسیع جمہوریہ کے تمام آئین و اصول کی ارشاد و ہدایت کی عدل و انصاف کی فوجی تعلیم و تربیت کی، مالیات کی، غرباء کے متعلق نہایت محتاط قانون سازی کی بنیاد رکھدی گئی ہے لیکن ان تمام کا سنگ بنیاد ذات باری تعالیٰ ہے جسکے قبضہ میں ہماری جان ہے۔ (لائف کرنل)

(۳) یعنی وہ قرآن شریف آفریقہ کے حبشیوں کے دلوں میں تہذیب و شائستگی کی روح پھونکنے سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود عدالت قائم کرنے میں بڑا معاون ثابت ہوا ہے اس نے ان میں ایسا انتظام تہذیب و تمدن پیدا کیا ہے جو ان اقطاع میں مفقود ہے۔ (مسٹر اے۔ ڈی۔ مارل)

۴۔ مسٹر طامس کارلائل جو یورپ کا مایۂ ناز ادیب اور مشہور مورخ ہے اپنی گراں قدر تصنیف

(The popular of the world.)

پاپولر ریلیجن آف دی ورلڈ صفحہ ۱۱۵ میں لکھا ہے کہ :۔

قرآن ایک آسان اور عام فہم کتاب ہے جسکی نسبت مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کو خدا نے بھیجا ہے۔ یہ کتاب ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش کی گئی جبکہ ہر طرف مشرق سے مغرب تک طرح طرح کی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ انسانیت و شرافت و تمدن کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔ قرآن نے اپنی تعلیمات سے امن و سکون اور محبت کے جذبات پیدا کئے۔ بے حیائی کی ظلمتیں کافور ہوگئیں اور ظلم و ستم کا بازار سرد ہو گیا۔ ہزاروں گمراہ راہ راست پر آگئے اور بے شمار وحشی شائستہ بن گئے۔ اس کتاب نے دنیا کا کایا پلٹ دیا۔ اس نے جاہلوں کو رحمدل اور عیش پرستوں کو پرہیزگار بنا دیا۔ یہ وہی کتاب ہے جو کروڑہا آدمیوں کے دلوں پر حکومت کرتی، اور اسکی تنظیم کے لئے وقف ہے۔

(۵) جدید علمی انکشافات میں ان مسائل میں جنکو تم نے اپنے علم کے زور سے حل کیا ہے، یا ہنوز وہ تحقیق و نظر میں کوئی بات

ایسی نہیں ہے جو تعلیمات قرآن کی مخالفت میں ہو۔

ہم عیسائیوں نے عیسائیت کو علم وسائنس کے ہم آہنگ وہم نشیں بنانے میں جتنی کوششیں کی ہیں، وہ سب اسلام قرآن میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ (لائف آف محمد مصنفہ الکس لازوان)

آج کے اس سائنٹفک دور میں بے شمار انسانی مسائل زندگی ایسے موجود ہیں جسکے حل کرنے میں بڑے بڑے مفکر عاجز و پریشان ہیں اور انہیں اس کا کوئی صحیح حل نظر نہیں آرہا ہے۔ جس قدر وہ اُسے سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں اتنا ہی یہ مسائل پیچیدہ تر ہوتے جارہے ہیں۔ ایسی صورت میں قرآن عظیم کو سامنے رکھ کر اگر ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے تو یقیناً آن کی آن میں جملہ مسائل حل ہوجائیں اور دنیا میں اقوام کے اندر جو کشمکش پائی جارہی ہے دُور ہوجاوے۔

بقیۂ پاکیزہ لطیفے صفحہ ۸

تعلیم کے لئے بھیجا۔ اتفاقاً ایک روز اُستاد نے اس کو ڈانٹا تو لڑکا تلوار لیکر استاد کو مارنے آیا۔ استاد بھاگنا شروع کیا۔ (وزیر استاد کو بھاگتا دیکھ کر) میاں مت بھاگو، میرے لڑکے کا وار پہلا ہے اسکو خالی مت جانے دو۔

9 ایک شخص (دھوبی سے) واہ میاں تم نے میری قمیص گم کردی اور دُھلائی کی قیمت مانگ رہے ہو۔
دھوبی جناب! قمیص دُھلنے اور استری ہونے کے بعد گم ہوگئی ہے۔

10 (باپ) بیٹے سے۔ میاں! ذرا کمرے میں جاکر دیکھو کہ گھڑی چل رہی ہے۔
(بیٹا) ابّا جان گھڑی تو نہیں چلتی ہے، ہاں کھڑی دُم ہلاتی ہے۔

تاریخی معلومات



س دمشق کی جامع مسجد کسنے بنائی؟ اور سب سے پہلے اس شہر کو کس نے آباد کیا؟

ج دمشق کی جامع مسجد عبدالملک کے بیٹے ولید نے ۲۸ لاکھ اشرفیوں سے بنائی اور سنہ ۸۶ ھجری میں اسکی تعمیر شروع ہوی اور سنہ ۹۶ ھجری میں ختم ہوی۔

س سب سے پہلے قلم سے کس نے لکھا اور میزان و پیما نے کس نے بنائے؟

ج سب سے پہلے ادریس علیہ السلام نے قلم سے لکھا اور میزان و پیمانے بنائے۔

س دنیا میں یاجوج و ماجوج کا راستہ کس نے بند کیا؟

ج حضرت سکندر ذوالقرنین رحمتہ اللہ علیہ نے

س وہ کونسا پہاڑ ہے جہاں نوح علیہ السلام کی کشتی لگی تھی

ج وہ جودی پہاڑ ہے۔

س سب سے پہلے بچوں میں اسلام کس نے قبول کیا؟

ج حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے،

س دنیا میں سب سے گہرا کنواں کہاں ہے اور اسکی گہرائی کتنے فٹ ہے؟

ج دنیا کا سب سے گہرا کنواں امریکہ آئل ویل ہے جسکی گہرائی ۱۹۳۵ فٹ ہے۔

س سب سے پہلے ہندوستان میں ریل کس سن میں چلائی گئی اور وہ کہاں سے کہاں تک جاتی تھی؟

ج سب سے پہلے ہندستان میں ریل سنہ ۱۸۵۳ء میں چلائی گئی اور وہ بمبئی سے کلیان جاتی تھی۔

س جناب! یہ بتائیے کہ ٹائپ رائٹر کس نے اور کس سن میں ایجاد کیا؟

ج ٹائپ رائٹر سوہی نے سنہ ۱۸۶۲ء میں ایجاد کیا۔

س جناب! تھرمامیٹر کس نے اور کس سن میں ایجاد کیا۔

ج تھرمامیٹر میرن ہائٹ نے سنہ ۱۸۱۴ء میں ایجاد کیا۔

س ہوائی بندوق کسنے اور کس سن میں ایجاد کیا؟

ج ہوائی بندوق مارن نے سنہ ۱۵۹۵ء میں ایجاد کیا۔

س ڈاک کی ٹکٹ سب سے پہلے کس نے ایجاد کی؟

ج رولنڈ ھن نے جنوری کی دسویں تاریخ سنہ ۱۸۴۰ء میں ایجاد کیا۔



از
سید کمال اللہ بادشاہ
ظہوری (جینور)
(زمرۂ اولیٰ دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور)

۱۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا جو قرآن کی نصیحتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں گویا کہ وہ جنگلی گدھے ہیں، جو شیر کو دیکھ کر بھاگتے ہیں۔ (قرآن شریف)

۲۔ اس دن جسنے دنیا میں شرارت کی اور دنیا کی زندگی کو آخرت سے بہتر سمجھا، اس کے رہنے کی جگہ دوزخ ہوگی۔ (قرآن مجید)

۳۔ مسلمانوں کے مکانوں میں سے وہ مکان سب سے اچھا ہے جس میں کسی یتیم بچے کی پرورش ہو رہی ہو۔ اور وہ مکان سب سے برا ہے جس میں کسی یتیم کو تکلیف دی جاتی ہو۔ (ارشاد نبویؐ)

۴۔ ہوشیاری کی بات یہ ہے کہ تم صائب رائے آدمی سے مشورہ لے لیا کرو اور اسکی بات مان لیا کرو (ارشاد نبویؐ)

۵۔ بزرگوں کی صحبت اختیار کرو۔ عقلمندوں سے میل جول رکھو اور علماء سے مسئلہ پوچھا کرو۔ (")

۶۔ زبان کو گلے شکوے سے بچاؤ۔ دل کو طمانیت حاصل ہوگی۔ (حضرت ابوبکر صدیق رض)

۷۔ اس شخص کو کبھی موت نہیں آتی، جو علم کو زندگی بخشتا ہے اور وہ شخص فقیر نہیں کہلا سکتا جسے علم وعقل کی دولت حاصل ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

۸۔ بے وقوف آدمی کا دل منہ میں اور عقلمند آدمی کی زبان دل میں ہوتی ہے۔ (شکسپیئر)

۹۔ ظاہر باطن کا عنوان ہے۔ ظاہر باطن کا آئینہ ہوتا ہے (نا معلوم)

۱۰۔ تین چیزیں محبت بڑھاتی ہیں۔ سلام[1] اور مخاطب[2] کو بہترین لقب سے یاد کرنا۔ مجلس[3] میں دوسروں کے لئے جگہ خالی کرنا۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

۱۱۔ تم اس وقت تک کامل نہیں جب تک تمہارے دشمن تم پر اعتبار نہ کرنے لگیں۔ (بنگم)

۱۲۔ آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے کل حساب ہوگا۔ عمل نہیں ہوگا۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

۱۳۔ غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم۔ (ارسطو)

مومن کی معراج

از
کے یم - احمد کمال الدین
زمرۂ خامسہ
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

خلاقِ عالم نے انسان کو اس غرض سے منصۂ وجود میں لایا کہ وہ اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے عبدیت و معبودیت کے درمیان تمیز کرے اور خالقِ کائنات کی قربت و رضاجوئی میں لگا رہے، جس نے اس نقطۂ نظر کو نہ سمجھ کر اپنی مقصدِ تخلیق کو چھوڑا تو اس نے اپنے امانت کو برباد کرکے اپنے وجود پر سخت ظلم کیا ہے۔ چنانچہ انسان کی مقصدِ تخلیق پر یہ آیت واضح ہے: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

ترجمہ: ہم نے جن و انس کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔

انسان جسطرح اپنی دنیاوی زندگی کی حوائج و ضروریات کی تکمیل کے لئے وقت سے پہلے اس کے اسباب مہیا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اپنی دنیا سنوارتا ہے اسی طرح اس کو آخرت کی زندگی خوشگوار بنانے اور اسکی کھیتی کو سرسبز و شاداب کرنے کے لئے چاہیئے کہ وہ اپنے خالق و معبودِ حقیقی کی عبادت کرے جو آخرت کی کامیابی کا سبب ہے۔

ہر شخص پر یہ بات واضح ہے کہ دنیا کی یہ سکونت عارضی ہے اور ایک دن سب کو اپنے رب کے روبرو حاضر ہونا ہے، لہٰذا انسان کیلئے ضروری ہے کہ دنیا میں ہر ان چیزوں کو اختیار کرے جو اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اللہ کی قربت کے مختلف اسباب ہیں، ان میں نماز کو کیا اہمیت حاصل ہے قرآن اور احادیث میں تاکید کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ جملہ اسباب میں سب سے اہم سبب نماز ہی ہے جو بندے کو بہت جلد اللہ سے قریب کردیتی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق کیلئے ایک نہ ایک طریق عبادت مقرر کردیا ہے اور تخلیق کے بعد وہ جس حالت میں ہیں وہی اُن کا طریق عبادت ہے، جیسے نباتات کے لئے قیام، حیوانوں کیلئے رکوع، حشرات الارض کے لئے سجدہ، جمادات کے لئے قعود اور پرندوں کیلئے تسبیح و ذکر ہے۔ ملائکہ مقربین کی عبادت جلوۂ الٰہی کا مشاہدہ کرنا ہے اور انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ تمام صورتیں ان کی عبادت میں شامل ہیں۔ خصوصًا نماز جو تمام عبادات بدنیہ و نفسیہ کی جامع اور مکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مرتبہ تمام عبادات سے بڑھکر ہے۔

نماز کو عربی زبان میں صلوٰۃ کہتے ہیں جسکے لغوی معنی ہیں دعا کرنا، تعظیم کرنا، آگ جلانا، آگ میں جلنا، آگ میں سینک کر ٹیڑھی لکڑی کو سیدھی کرنا ہے۔ یہ پانچوں مفہوم

نماز میں پائے جاتے ہیں۔ نماز میں خدائے تعالیٰ سے صراط مستقیم کی دعا کیجاتی ہے۔ انتہائی ذلّت اور عاجزی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو محبت الٰہی کی آگ میں جلایا جاتا ہے۔ اور دل میں خشوع وخضوع پیدا کیا جاتا ہے اور نفس جو ٹیڑھی لکڑی کے مانند ہے اس کو عبادت والطاعت کی آگ میں سینک کر سیدھا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقت میں نماز وہی ہے جس میں یہ پانچوں وصف پائے جائیں اور اصطلاح شریعت میں ایک خاص ترکیب کی عبادت کا نام ہے جس میں قیام وقعود، رکوع وسجود وغیرہ ہوں۔

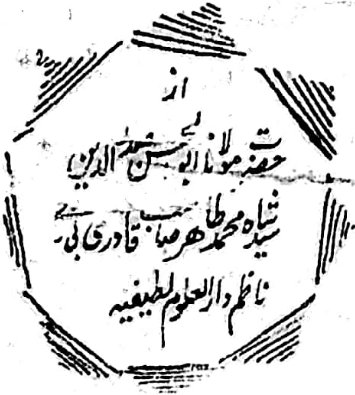
نماز اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت ہے اور اسلام کا فرض اولین ہے۔ قرآن مجید وفرقان حمید شروع سے آخر تک نماز کی ہدایات سے بھرا ہوا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ یعنے جو لوگ کہ اپنی نماز کے اوپر نگاہ رکھنے والے ہیں وہ لوگ جنتوں میں بزرگی دئے گئے ہیں یعنی بہشت کی نعمتوں سے سرفراز و دولتمند ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ متقین اور دین ودنیا میں فلاح پانے والے وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔

نماز کا سلسلہ تو حضرت آدم سے چلا آتا ہے لیکن ہماری یہ پنجگانہ نماز ہمارے سردار دو عالم نور مجسم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضیلت معراج سے مشرف ہونے کے وقت فرض ہوئی ہے۔

نماز کو شریعت میں ایک خاص فضیلت یہ ہے کہ اسلام کے سارے فرائض زمین پہ فرض ہوئے ہیں۔ نماز معراج شریف کی رات میں ساتوں آسمان سے بھی اوپر جا کر فرض ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز صحیح طریقے سے ادا کرنے والا تمام برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اسکے دل کو دنیا کی تمام گندگیوں سے پاک کر دیتی ہے اور تمام اچھے اوصاف اس کی پابندی سے پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (پارہ ۲۱ ع) (ترجمہ) بیشک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں حدیثوں میں بھی نماز کی فضیلت وتاکید آئی ہے اور نماز کو دین کا ستون اور دین کی بنیاد کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الصَّلٰوةُ عِمَادُ الدین فمن اقامها فقد اقام الدین ومن ترکها فقد هدم الدین (ترجمہ) نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ترک کیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔

نماز ہی وہ عبادت ہے جو اپنے آقا کے حضور میں جسم وجان کی بندگی ہے اور جس کے ذریعہ انسان اپنے احساسات بارگاہ رب العزت میں پیش کرتا ہے۔ یہ نیاز دل کا عاجزانہ ترانہ ہے۔ یہ خالق ومخلوق کے درمیان تعلق ووابستگی کا ذریعہ ہے۔ یہ بےچین روح کی تسکین ہے۔ بےچین قلب کی تشفی اور مایوس انسان کی آس ہے۔ یہ حساس واثر پذیر طبیعت کی باطنی پکار ہے جو ہر بندے





نہر سوئیز کا طول ۸۸ میل اور گہرائی ۳۶ فیٹ خرچ بیس کروڑ روپئے۔ سابقہ لنڈن سے کیپ ہوکر بمبئی آنے ۱۱ ہزار دو سو بیس میل طے کرنا پڑتا تھا۔

سوئیز کی راہ سے صرف ۶ ہزار تین سو بائیس میل کی مسافت طے ہونے لگی ہے اور کرایہ میں نصف کے قریب تخفیف ہوگئی ہے۔

نصیحت

از بیاض شمس العلماء الحاج مولانا رکن الدین شاہ سید محمد قادری ماخوذ

ایک حکیم کا قول ہے کہ معاملات دنیاوی کے لحاظ سے انسان میں چار باتوں کا ہونا ضروری ہے :-

(۱) وقت کی پابندی (۲) کام کی درستی (۳) مستعدی (۴) چستی - کیونکہ جو شخص وقت کا پابند نہیں اسکی عمر کا زیادہ حصہ خراب جاتا ہے، اور جو اپنا کام صحیح طور پر نہیں کرتا ممکن ہے کہ اس سے ایسی غلطیاں ہوں کہ خود اس کے اعتبار اور دیانت میں فرق آئے اور دوسروں کا بھی نقصان ہو۔ اسی طرح اگر انسان میں مستعدی نہیں تو کام عمدہ نہیں ہوتا۔ اور اگر چستی نہیں تو کئی مواقع ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔

چندر بدن مہیار

از فضل العلماء مولانا
الحاج محمد یوسف صاحب کوکن
ایم اے۔ ایم لٹ
صدر شعبۂ عربی فارسی و اردو
مدراس یونیورسٹی

چندر بدن اور مہیار کی کہانی ہندوستان کی ان مشہور و مقبول کہانیوں میں سے ایک ہے جس کو ہمارے جنوبی ہند کے فارسی اور اردو شعراء نے اپنی مثنوی کا موضوع بنایا ہے افضل خان لذتی اور مقیمی نے اس موضوع پر مثنویاں لکھی ہیں۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فارسی زبان میں "عشق نامہ" کے نام سے ایک مشہور مثنوی لکھی ہے۔ مولانا باقر آگاہ ویلوری نے اردو میں "ندرت عشق" کے نام سے ایک مثنوی لکھی جو ان کے اردو مثنویات "خمسہ اوج آگاہی" کے اندر شامل ہے۔ ان کے بعد ان کے مشہور شاگرد نواب عزالدین خان بہادر مستقیم جنگ نامی نے فارسی میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام "اعجاز فردوس" رکھا ہے۔ گنڈو عبدالقادر صاحب شاکر مرحوم ساکن وانمباڑی نے بھی "گلزار شاکر" کے نام سے ایک مثنوی اس موضوع پر اردو زبان میں لکھی ہے۔

یہ کہانی ایک پرانی کہانی مدت سے جو لوگوں کی زبان پہ جاری تھی۔ مولانا باقر آگاہ لکھتے ہیں :۔

اگرچہ یہ قصہ کہن سال ہے ۔۔۔ پہ تیرے بیاں میں نئی چال ہے
ہے ہر چند یہ داستاں مشتہر ۔۔۔ پہ ہے اور ہی تیرے لب میں اثر
کہے ہیں اُسے ہندی و فارسی ۔۔۔ پہ تیرے بیاں کی کہاں آرسی

مولانا باقر آگاہ اور حضرت ذوقی رح نے اس کا جائے وقوع شہر سندر بتایا ہے۔ نامی نے پنجاب کی سرزمین کو اس قصہ کا جنم دیس قرار دیا ہے۔ مولانا باقر آگاہ اسکے متعلق رقمطراز ہوتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

کہ اطراف سندر میں تھا ایک گاؤں ۔۔۔ کہ شہروں میں مشہور تھا جس کا ناؤں
اگرچہ اوسی گاؤں کا تھا لقب ۔۔۔ ولیکن تھا تیہ شہر کا اوس میں ڈھب
کیا جب یہ راوی بیاں اوس کا نام ۔۔۔ ہوا دل کو میرے تردد تمام
ہے یہ ناؤں کیوں ایسے عاشق کا گاؤں ۔۔۔ معین نہیں کس لئے اوس کا ٹھاؤں
کہا دل کے عقدہ کو یوں میں نے وا ۔۔۔ کہ اس عشق کو نا نشاں ہے نہ جا
جو عاشق ہوا عشق میں ہے نہاں ۔۔۔ کہاں سے ہوا اوس کہ مکان و نشاں

پھر خود ہی کہتے ہیں' یہ مقام کدری کا ہے جو کڑپہ کے قریب ایک مشہور گاؤں ہے، کہا جاتا ہے کہ یہاں مہیار عاشق کی قبر موجود ہے۔ آگاہ لکھتے ہیں :۔

کہے دوسروں نے کہ بیشک وہ گاؤں ۔۔۔ یہی ہے کہ کدری ہوا اوس کا ناؤں
روایت یہ آئی ہے باور سب مجھے ۔۔۔ دلیل اسمیں یک ہووے ہے یاد رب مجھے

خبر یک ہے از سرورِ انبیاءؑ — کہ ہے جس کے مضموں کا یہ مدعا
کہ جو شخص پیدا ہو یک جائے سے — وہیں جا کے ہو جائے مدفن اوسے
ہے کدری میں تیسار مدفون جب — تھا اوس گلزمیں سے خمیر اوس کا سب
تھی چند بدن کی بھی وہاں سے خمیر — کہ بابا روہاں ہو گئی گوشہ گیر
حقیقت میں معشوق و عاشق کا تن — ہے تخمیر میں متحد جیسا من

مولانا آگاہ نے یہ مثنوی ندرت عشق ۱۲۱۵ھ میں لکھی تھی جو ان کی عمر کا آخری زمانہ تھا کیونکہ اس مثنوی کے لکھنے کے پانچ سال بعد انہوں نے مدراس میں وفات پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ان کے عقل و ذہن اور شاعرانہ کمال میں پختگی آچکی تھی۔ مگر حضرت ذوقی نے اپنی مثنوی عشق نامہ اوس وقت لکھی جبکہ انہوں نے اپنی عمر کے صرف بائیس بہاریں دیکھی تھیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

گے اتمامِ ایں فرخندہ تمثال
سراسر عمرِ من بدیں بست و دو سال

اس مختصر سی عمر میں انہوں نے اس پہلے دو ضخیم مثنویاں ہدیۂ اخیار اور معجز مصطفٰے لکھدی تھی، چنانچہ خود ہی کہتے ہیں۔

ہوا سے شعر کا دل بار کردم
بنائے ہدیۂ اخیار کردم
چو از فضل خدا کردم تمامش
بنام مصطفٰے شد اختتامش
کنوں ایں نامہ را از روئے تحقیق
متمم می کنم بر نام صدیقؓ

حضرت ذوقی کی یہ مثنوی زبان و بیان اور اسلوب کے لحاظ سے بہت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ دو ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل مثنوی کو صرف بائیس دن میں ختم کیا ہے۔ جس سے ان کی قادر الکلامی کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہ خود ہی کہتے ہیں:۔

چو در تزئینِ ایں پیکر نشستم
بعشرینؔ و دو روزش نقش بستم
سمرقند ایں کتاب و قندبیت است
چو بشماری دو الف و چند بیت است

حضرت ذوقی نے حمد سے اس کتاب کی ابتدا کی ہے۔ چونکہ خود ہی ایک زبردست اہل دل صوفی تھے۔ اس لئے ابتدا ہی میں عرفان اور تزکیۂ نفس پر بہت زور دیا ہے، فرماتے ہیں:۔

خودی را محو کردن لابد آمد
حجاب دیدِ حق دید خود آمد
چو کِلکِ صنع او بنگاشت انساں
امانت ہای او برداشت انساں
پس انساں را کہ در بندِ حضور است
شناسا بودن از وی بالضرور است
کسے را کیں صفت نبود مہیا
تلاش معرفت نبود مہیا
خس بے دانش و ناداں محض است
نہ انساں است بل حیواں محض است
چو حق از بہر عرفاں کرد پیدا
نہ بہر جرم و عصیاں کرد پیدا
ترا جز جرم و عصیاں نیست کاری
ترحم چوں کند حق بر تو بارے

صفائے دل طلب آئینہ بزدا
چو زنگی چند باشی زنگ پیرا
دلت را چوں صفائی نیست در بر
کجا در وی شود حق جلوہ گستر
صواب آں شد کہ بگذاری سرِ جہل
بیفشانی بسر خاکستر جہل
شریعت را انیس خویش رانی
حقیقت را چو جاں در دل نشانی
زید کاری دل خود را بر آری
حقیقت با شریعت جمع داری
اگر زیں شمع جاں پروانہ داری
باوجِ قرب حق پروا نداری
اگر داری بہ دل نورِ صفا را
ز ذوقی بشنو اسرارِ خدارا
نخست از گفت ذوقی راہ داں شو
پس انگہ در رہِ عرفاں رواں شو

حضرت ذوقی نے ہر مضمون کی سُرخی کچھ ایسی قائم کی ہے جس سے عرفان و تصوّف کی جھلکیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

حمد و نعت و معراج کے عام مضامین کے بعد حضرت ذوقی نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی منقبت بھی لکھی ہے اور پھر اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوالحسن قربی کی بھی مدح کی ہے، پھر عشق کی تعریف کی ہے اور عشقِ مجازی کے مقابلے میں عشقِ حقیقی پر بہت زور دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

خردمنداں کہ ملکِ عشق رانند
طریقِ عشق بر دو گونہ خوانند
یکی عشقِ مجازی کز ہوا نیست
دراں مشکِ خطا بوئے خطا نیست
دگر عشقِ حقیقی، عشقِ صادق
کزاں فانی شود ہستی عاشق
بدیں وصف آنکہ موصوف از ازل شد
بنزدِ اہلِ معنی بے بدل شد
ندارد ہیچ گاہی با ہوا کار
بود پیوستہ او را با خدا کار
بود عالم بچشمِ ہمتش پست
کہ می باشد زجامِ دیدِ حق مست
چو می گردد ز بودِ خود مبرّا
شود آخر بہ بودِ حق مطرّا
اگر بر چرخ یا بر خاک بیند
تجلّی خدائے پاک بیند
زنیک او را خبر نبود ز بد نیز
ز عالم بے اثر گردد ز خود نیز
بحق گوید اگر حرفی بگوید
بدو جوید اگر کاری بجوید
چناں از کارِ خود مدھوش ماند
کہ حق را داند و خود را نداند
بمدھوشی زند آوازِ عشقِ مطلق
نوا ہائے اناالرب و اناالحق

اس کے بعد اصل کہانی شروع ہوتی ہے۔ لکھا ہے شہر سندر میں ایک بادشاہ تھا جس کی ایک خوبصورت لڑکی تھی، جس کا نام چندر بدن تھا۔ اس لڑکی کے اوصافِ حسنہ گنانے کے بعد اس کے حسین و جمیل باغ اور سامانِ عیش اور گوناگوں سازہائے موسیقی کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد مہیار کے حسن و جمال اور تعلیم و تربیت کی تفصیل پیش کی ہے۔ اس کا باپ ایک تاجر تھا جو شہر سندر کے قریب ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کی اعلےٰ پیمانہ پر تعلیم و تربیت کی اور سپہگری کے سارے فنون سکھائے۔ تیراندازی اور نیزہ بازی میں اس کا کوئی نظیر اور مثیل نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت متقی اور پرہیزگار تھا۔ اس کی عبادت گذاری بہت سے مشہور عابدوں اور زاہدوں کی عبادت اور ان کے زہد پر فوقیت حاصل کرچکی تھی۔ اس کے باپ نے بہت سی اُمیدیں اُس کے ساتھ باندھی تھیں، وہ چاہتا تھا کہ اس کا لڑکا دنیا کا نامور عالم و فاضل اور بہادر بن کر نکلے، مگر قسمت کی ستم ظریفی کہ وہ چندر بدن کو دیکھ کر وارفتہ ہوگیا اور اپنی عقل و ہوش کھو بیٹھا۔ مدت تک اس مندر کا طواف کرتا رہا جہاں چندر بدن پوجا کے لئے آیا کرتی تھی۔ جب ایک موقع پاکر حرفِ طلب کا اس کے سامنے اظہار کیا تو وہ بہت برافشفتہ ہوئی اور اس نے کہا:—

که اے سرزمرۂ غفلت پسنداں
شدہ غافل زراہِ ہوشمنداں
سرِ عقل و خرد را بر گرفتہ
طریقِ ہرزہ کاراں در گرفتہ
کنی دیوانہ آسا ترکتازی
نہ درخوردِ تو باشد عشقبازی
عناں درکش زراہِ ہرزہ کاری
مکن چو طرۂ من بے قراری
منم از بت پرستانِ خطاکار
مسلمانی تو داری با خدا کار
ز اہلِ شرعی و دیندار مردی
چرا با بت پرستاں یار گردی
ازیں پایہ بخشش پائے خردمند
وزیں سودا بروں آرائی خردمند
روا نبود بہ نزد ہیچ انساں
زناشوئی کافر با مسلماں
بمن خواہی کہ باشی یار و دمساز
مگر دیوانۂ ایں گفت و شد باز

دونوں کی محبت اور وصال کے درمیان مذہب کی خلیج حائل تھی جس کا پاٹنا مشکل تھا۔ مہیار نہ اپنے مذہب کو ترک کرسکتا تھا اور نہ چندر بدن ہی اپنے مذہب کو چھوڑ سکتی تھی۔ چندر بدن کے اس سخت جواب سے بجائے اس کے کہ عشق کا سودا مہیار کے دماغ سے دُور ہوجائے اور زیادہ ہوگیا۔ اس نے صحرا و جنگل کی راہ لی اور اپنے معشوق کے فراق میں دل سوز آہیں بھرنے لگا۔ جب مہیار لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تو باپ نے اس کی تلاش کی اور آخر اس کو ایک جگہ ڈھونڈھ نکالا۔ اس کو مہیار کی حالت پر بہت افسوس ہوا۔

اُس نے نرمی کے ساتھ اس کو نصیحت کی اور کہا :۔

مکن زیں گونہ اے فرزندِ دلبند
تماشائے کہ ناید از خردمند
خردمندے کہ دانش پیشہ باشد
ازیں اندیشہ پُر اندیشہ باشد
طریقِ ہوشمنداں را ز سرگیر
ز آئینِ ھنرمندی ہنر گیر
چہ باید خویش را بے آب کردن
ز غم بے طاقت و بے تاب کردن
ترا دل می دہد کز دل ستانے
بہ بینی ایں قدر رنج و زیانے
بدخت کافرے شیدا شدستی
وزیں غم سبے سر و بے پا شدستی
گہے ز انساں گریزی ہمچو دیوے
گہے چوں دیو برداری غریوے
بہ بیں دل تنگی و دل گیریِ من
خدا را رحم کن بہ پیریِ من

مگر مہیار پر باپ کی نصیحت کارگر نہیں ہوسکی۔ اس نے صاف جواب دیدیا۔

منم شیدا مرا عقل و خرد نیست
اگر باشم بکوہ و دشت بد نیست
مکن با من سخن از عقل و ادراک
کہ ایں خاشاک از رہ کردہ ام پاک

اسی زمانہ میں اس طرف کا ایک بادشاہ شکار کرتا ہُوا اس طرف آنکلا۔ اس نے اس نوجوان مہیار کو انتہائی سوز وگداز کی حالت میں دیکھا تو اس سے پوچھا "تم کون ہو کہاں کے رہنے والے ہو۔ مگر مہیار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ راجہ سمجھ گیا کہ یہ نوجوان کسی کے عشق میں سرگرداں ہُوا ہے۔ اس کو اپنے ساتھ محل میں لے آیا۔ مگر یہاں آکر اس نے کسی حسین و خوبصورت لڑکی کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اور جب کچھ زمانہ بعد حقیقت حال سے اطلاع ملی تو بادشاہ نے چاہا کہ چندربدن کے باپ سے اس نوجوان کی سفارش کرے۔ مگر چندربدن کے باپ نے صاف انکار کردیا۔ اور کہا :۔

بدینداری سر کافر نباشد
مسلماں شوہر کافر نباشد
بہ ہم کیشاں شوم زیں کار مذموم
شوم بومی دریں مرز و دریں بوم
نہ خواہم خویش را مذموم کردن
بمرز و بوم خود را بوم کردن

جب بادشاہ نے اس کا یہ کڑوا جواب سنا تو بہت آزردہ ہُوا اور افسوس کیا کہ اس کی سفارش بھی کام نہیں کرسکی۔ اس ناکامی کا داغ اس کے دل پر کچھ ایسا بیٹھا کہ خود گوشہ گیر ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ مہیار نے پھر مندر کا طواف کرنا شروع کیا اور اپنے معشوق سے اپنی محبت صادق کا دوبارہ اظہار کیا۔ لیکن اس دفعہ بھی چندربدن نے نہایت ترش رُو ہو کر یوں جواب دیا :۔

بخندہ گفت کای در عشق کامل
سپردی از ہوائے من بمن دل

اگر خواہی حریف دلستان را
بیا وہمچو دل بسپار جاں را

جب اپنے معشوق سے اس قسم کا کھلا ہوا مطالبہ مہیار نے سُنا تو اس نے اسی وقت جان دیدی۔

چو بشنید ایں سخن مہیار حیراں
ہماں دم کرد جاں تسلیم جاناں
چو پروانہ بروی او فدا شد
پس افتاد و در راہش زباں شد
دل خود دادہ بود از پیش او را
آخر داد جانِ خویش او را

اس پر حضرت ذوقی تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

نباشد عاشق آں کو ایں چنیں نیست
کمالِ عشق بازی غیر ایں نیست
اگر عاشق نریزد بر صنم جاں
براہ عشق صادق کی بود آں
زہر کار است کارِ عشق مشکل
کہ افتد کار او باجان و با دل

اس عاشق جانباز کی فوری موت سے چندر بدن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ واقعی ایک عاشق صادق تھا۔ چنانچہ اس کے دل و دماغ میں بھی محبت کے جذبات اُبلنے لگے، وہ بھی اپنے گھر پہنچ کر آہیں بھرنے لگی۔

لوگوں نے اس جانباز عاشق کی تجہیز وتکفین کی اور جنازے کو لیکر روانہ ہوئے لیکن یہ جنازہ چندر بدن کے محل کے سامنے آکر رُک گیا۔ تمام لوگ حیران تھے کہ جنازہ کیوں آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔ چندر بدن کے پاس آدمی بھیجا گیا۔ وہ ایک عالم دین کو بُلا کر خود ہی مسلمان ہو چکی تھی، نہا دھو کر اور کپڑے پہن کر جنازے کے پاس آئی۔ جیسے ہی وہ جنازے کے پاس آئی جنازہ روانہ ہوا۔ چندر بدن اپنے گھر واپس ہوی۔

جب قبرستان میں جنازہ لاکر نیچے رکھا گیا اور لاش قبر میں اُتاری گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ دو لاشیں ہیں۔ چندر بدن بھی اس کے ساتھ مری ہوی پڑی ہے۔ لوگوں کو اس پر بڑی حیرت ہوی۔ ہرکاروں نے چندر بدن کے باپ کو خبر دی۔ اس نے دیکھا کہ چندر بدن گھر میں نہیں ہے، وہ دوڑا ہوا قبرستان آیا، دیکھا کہ چندر بدن مہیار کی لاش سے لپٹی پڑی ہے، اور بے روح ہے۔ باپ نے اس کو عاشق سے جُدا کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ الگ نہ ہو سکی۔ مجبوراً دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

حضرت ذوقی کہتے ہیں کہ یہ قبر کدری میں ہے، جس کے سرہانے ایک بڑا درخت بھی اُگا ہوا ہے۔

بکدری گشتہ مدفون آں دو یکتا
بپائیں شاں درختی ہست والا

سفارش کرنے والے بادشاہ پر بھی اس دلدوز واقعہ کا بہت اثر ہوا۔ اس نے اپنی حکومت میں مجلس ماتم مقرر کی اور سب نے ان دونوں عاشق صادق پر اپنی دلسوزی

کے آنسو بہائے۔

حضرت ذوقی نے آخر میں یہ بتایا ہے کہ انہیں کس طرح ابتدا میں پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ نہیں تھی۔ انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں ایک دن خواب میں حضرت نظامی گنجوی کو دیکھا اور ان سے سکندر نامے کے چند شکوک و شبہات دریافت کئے۔ دوسرے دن صبح کو اپنے والد کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے سکندر نامہ لانے کی ہدایت کی۔ ذوقی نے ان سے سکندر نامہ پڑھنا شروع کیا۔ چند ہی دن کے اندر وہ اس مثنوی کے نکات پر پوری طرح حاوی ہو گئے۔ اس کے ساتھ ان کے اندر شاعری کا فطری جذبہ اُبھر آیا اور فارسی میں اشعار نظم کرنے شروع کئے۔ چند سال کے اندر کئی ہزار اشعار کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا۔ جس میں یہ تین مثنویاں میں شامل ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے کئی کتابیں فارسی نظم و نثر میں لکھ ڈالیں جیسا کہ میں نے اپنے پچھلے مضمون میں ان کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ذوقی کی یہ مثنوی اس قابل ہے کہ کوئی اس کو فوری طور پر چھپوانے کی کوشش کرے تاکہ ان کی فارسی دانی کا ایک بہترین نمونہ اہل علم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اگر یہ مثنوی چھپ جائے تو منشی فاضل کے امتحانات میں داخل کی جا سکتی ہے۔

سلسلہ صفحہ ۱۰

وجہ ہے کہ بعض شیوخ اہل طریق کے کلام نے علم کی جانب بے اعتنائی اور بیزاری کا سبق دیکر عمل کی طرف توجہ اور ترغیب دلائی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ طلب علم کے قائل نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں علم کے مداح اور عالم دین سے یاد کیا جاتا تھا اور ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ قوم محض علم ہی کو لئے بیٹھی ہوی ہے، عمل کا نام نہیں لیتی ہے شب و روز علم ہی کا سبق دُہرایا جارہا ہے تو اسوقت انہیں کہنا پڑا ؎

جملہ اوراق و کتب در نار کُن
سینہ را با نورِ حق گلزار کُن

اور ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(یہاں پہنچکر عقل اور ترقی کرجاتی ہے اور کہتی ہے کہ) غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان حضرات نے علم سے توجہ نہیں ہٹائی بلکہ اس جانب اور بڑھا دی ہے۔ ہاں کتابوں کی طرف سے البتہ ہٹا کر ساری توجہات کو علم رُوحانی کے رُخ مبذول فرما دیا ہے جو علم اول سے کہیں بہتر اور بُلند و برتر ہے اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ عوام کے اذہان کو علم ظاہری سے پھیر کر علم باطنی کی طرف لگا دیا ہے، اب وہ اشکال اور اعتراض بھی رفع دفع ہوگیا جو ان کے متعلق کہا جاسکتا تھا کہ ان بزرگان دین کے نزدیک علم کی کوئی اہمیت نہیں ہے"۔

اور سُنئے ایک علم ہے (یعنی دین) اور ایک تدیّن (یعنی دینی باتوں کا اپنے اندر عملی جامہ پہنانا) علم تو کتابوں میں بھرا ہوا ہے اور اس سے کتابیں مدوّن ہیں لیکن تدیّن، یہ اہل تدیّن سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ یعنی متدیّن سے۔ تدین، متدیّن (یعنے دیندار) کی صفت ہے، دین کی نہیں۔

(نسیم سے خطاب کرتے ہوئے) یہ ہیں اُن اشعار کے مطالب جنہیں تم نے اپنے دلائل کے لئے چُنا ہے۔

(اب امجد کیطرف مخاطب ہوکر) علم اور عمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے، عمل کے لئے علم ایک اچھا اور بہترین رہنماء اور کارساز کی حیثیت رکھتا ہے۔ علم سارے نقائص کو دُور کرتا ہے، گمراہی اور ضلالت زیادہ تر جہالت کی وجہ سے ہے۔ عمل ہے اور علم نہیں ہے تو جہالت پیدا ہوجاتی ہے۔ بغیر علم کے عمل جسطرح بےکار و بےفائدہ ہے، اسی طرح علم بلا عمل بھی فضول و بےسُود ہے ؎

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق شدی نہ دانشمند
چار پائے برو کتابے چند

یہ سچ ہے کہ علم سیکھنا یقیناً مشکل ہے —— کیوں؟ —— اس لئے کہ علم کے بہت سے ابواب ہیں، ظاہری بھی ہیں باطنی بھی، وہ ذوفنون ہے اور اپنے اندر بہت سے فن رکھتا ہے سب کا احاطہ کرنا اور جمع کرنا نہایت دشوار ہے۔ کتنی حدیثیں، کتنی باتیں، کتنے مسائل یاد رکھنے پڑتے ہیں اور یہ بات عمل میں نہیں ہے۔ جب تک نفس مخالفت کرتا رہتا ہے اس وقت تک عمل کرنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے ورنہ بہت آسان ہے۔

موضوع تفصیل کا تشنہ ہے، وقت تنگ اور محدود ہے، کاغذات کی قلت ہے۔ "شارٹ ہینڈ کلرک" ضبطِ تقریر سے عاجز ہیں، اور صفحاتِ الطیف اس کے متحمل نہیں ہیں، اس لئے عقل نے دنیائے عقل و دانش کے آگے اس فیصلہ کو رکھ دیا کہ اب وہ خود بھی سوچیں ——
—— علم مشکل ہے یا عمل؟

فقط

۷۸۶

پاکیزہ لطیفے



1- (باپ بیٹے سے) کیوں جی آج تم سویرے کیسے آگئے شاید بھاگ آئے ہو ؟

لڑکا خوش ہوکر۔ جی نہیں آج ہمارے ماسٹر صاحب مر گئے ہیں ۔

2 - (ماں حمید سے) احمد کے حصے کی مٹھائی کہاں گئی ؟

حمید۔ وہ تو میں نے کھایا ۔

ماں ۔ تم کون ہو اُسکی مٹھائی کھانے والے

حمید۔ آپ ہی نے کہا تھا کہ اپنے بھائی کا کام کردیا کرو۔ میں نے اس کا یہ کام کردیا ۔

3 - سلیم (باپ سے) ابّا جان آپ ہی نے کہا تھا کہ بڑے چھوٹوں کو نہیں مارتے ۔

باپ ہاں ! بیٹا

سلیم آپ یہی بات میرے ماسٹر صاحب سے کہدیجئے۔

4 - گرمی کے دن تھے ایک بادشاہ اور اس کا لڑکا دونوں ایک دن شکار کے لئے گئے تھے ۔ دوپہر کو گرمی زیادہ بڑھی تو دونوں نے اپنا لباس اُتار کر ایک مسخرہ کے اوپر ڈال دیا ۔ بادشاہ نے اس مسخرہ سے کہا' میاں ! اب تمہارے اوپر ایک گدھے کا بوجھ ہے ۔ مسخرے نے جواب دیا حضور والا آپ نے جو مجھے فرمایا ٹھیک ہے ۔ اب میں اپنے اوپر دو گدھوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوں ۔

5 - نقل ہے کہ ایک حکیم اتفاقاً بیمار ہُوا تو لوگ اُس کی عیادت کے لئے آئے اور بہت دیر تک بیٹھے رہے ۔ حکیم بہت ناخوش ہُوا ۔ ایک نے ان میں سے کہا' حکیم صاحب مجھے کوئی نصیحت کیجئے ۔ حکیم صاحب نے کہا' اگر کسی کی عیادت کو جاؤ تو زیادہ دیر تک نہ بیٹھو ۔

6 کسی نے حکیم سے پوچھا کہ کھانے کا کونسا وقت ہے ؟ تو حکیم نے کہا دولتمند کو جس وقت بھوک لگے اور فقیر کو جس وقت روٹی ملے ۔

7 - ایک دولتمند اپنے دیوان خانے میں بیٹھا ہوا تھا ۔ اتفاقاً ایک فقیر آیا اور سوال کیا ۔ تو دولتمند نے کہا ۔ اس وقت گھر میں سے روٹی لانے والا کوئی آدمی نہیں ہے تو فقیر سُن کر کہا تھوڑے وقت کے لئے آپ ہی آدمی بن جائیے

8 ایک وزیر نے اپنے بچے کو کسی ہندستانی استاد کے پاس

بقیہ صفحہ ۸۷

میرے پسندیدہ شعر

اے آرزوئے ساقی دل میں تجھے بسا کر
مسجد میں میکدے کی تعمیر کر رہا ہوں
فصیح

بزم ساقی میں ذرا دیکھو تو چل کر زاہد
کیا بہاریں ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں کی
جگر

وہی آج ہیں رہبر کارواں
کہ جن کو شعور سفر بھی نہیں
کیف احمد صدیقی

شہادت گاہ سمجھو باغ کو یا خلوت تزئیں
نہا کر اپنے خوں میں ہر گل تر کو نکھرنا ہے
فراق گورکھپوری

میرے خلوص کے پھولوں نے چوم چوم لیا
تیری نگاہ کی شبنم جہاں ملی ہے مجھے
کشمیری لال ذاکر ایم اے

گرج گراں کو بھی اے موجۂ طوفاں جگا دینا
لپٹ کر سو رہے ہیں جو ابھی دامان ساحل سے
(شتاب علت ایم اے)

کچھ اور دیکھنے دو ابھی لالہ و گل کو
باقی انہیں شعلوں سے گلستاں کی تپش ہے
سید یزدانی جالندھری

اے صبا لالۂ کم ظرف سے اتنا کہہ دے
دل کی توہین ہے داغوں کا نمایاں ہونا
سکندر ولی وجیہ

فضا تبسم صبح بہار تھی لیکن
پہنچ کے منزل جاناں پہ آنکھ بھر آئی
فراق گورکھپوری

میں خطا کار محبت سہی لیکن اے دوست
زندگی نکھر آئی ہر الزام کے بعد
نامعلوم

بہت آج رونے کو جی چاہتا ہے
کسی مٹنے والے کا قصہ سنا دو
عندلیب شادانی

اسلام اور کمیونزم

از
محمد مصطفیٰ خلیفہ
بھٹکلی متعلم زمرۂ ثالثہ
دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی
اقبال

آج دنیا میں دو قسم کے نظام پائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ مذہبی ہیں یا غیر مذہبی ہیں غیر مذہبی نظام انسان کا خود ساختہ ہیں، جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ ایک اشتراکیت، دوسرا سرمایہ داری۔ اور مذہبی نظام میں کچھ تو آسمانی ہیں اور کچھ تو انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ آسمانی میں اس وقت میرا موضوع بحث اسلام ہے جو اشتراکیت اور سرمایہ داری کے مقابل ہے، بلکہ سارے نظاموں کے مقابل ہے اور ساری دنیا کے نظاموں کو چیلنج کر رہا ہے اور غیر مذہبی نظاموں میں بحث اشتراکیت سے ہے جو سارے نظاموں کو معطل قرار دے رہا ہے کہ پوری دنیا میں انسانی زندگی کا ساتھ اس وقت سوائے اشتراکیت کے اور کوئی نظام نہیں دے سکتا، یہی انسانی زندگی کا ضامن ہے۔ اشتراکیت انکارِ خدا پہ اسکی بنیاد قائم کی گئی ہے یہیں سے اس کا فلسفہ شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ مارکس کا وہ بنیادی نظریہ جس پر اس کے افکار کی دنیا قائم ہے، وہاں سے مابعد الطبعی نظریات ختم ہو جاتے ہیں، اور انکارِ خدا اس کا مذہب بن جاتا ہے اس کے نزدیک وجود خدا تخیلاتی نظریہ ہے جو مذہب پرستوں نے قائم کر لیا ہے۔ اسی طرح لینن کا کہنا ہے کہ مذہب انسان کیلئے افیون کا حکم رکھتا ہے۔ یہ ایک قسم کی روحانی شراب ہے جس میں سرمایہ داروں اور مذہب پرستوں نے اپنے آپ کو غرق کر لیا ہے۔ وہ کہتا ہے ہمیں مذہب کے خلاف جنگ کرنی چاہیئے۔ جب تک مذہب کے خلاف جنگ کر کے اس کا خاتمہ نہ کیا جائے تو انسان ترقی نہیں کر سکتا۔ دوسری جگہ وہی کہتا ہے کہ مذہب روحانی جبر کی ایک شکل ہے، جو مزدوروں اور کمزوروں کے مقابلے میں جبر و استبداد کا حامی تھا مثلاً ہے۔ اور ان بیچارے مفلسوں کو صبر و سکون کی تلقین دے کر بعد الممات بہتر زندگی اور جنت کی لالچ دیتا ہے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ مذہب کے خلاف صف آرائیاں کریں اور انہیں ختم کر دیں۔ آگے چل کر وجود باری کا انکار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ خدا کا نام اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ لوٹ گھسوٹ پر مبنی مفاد کی تکمیل کر سکیں۔

یہ تو رہا کمیونزم کا نظریہ مذہب کے متعلق جسے تسلیم کر لینے کے بعد انسانی زندگی سے روحانیت کا کلی طور پر فقدان ہو جاتا ہے اور انسان درجۂ انسانیت سے اتر کر حیوانیت اور بہیمیت کا شریک سہیم ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نظام میں روحانیت کا یکسر وجود نہ ہو اور جس میں اخروی زندگی کی قدر و قیمت نہ ہو اور معاد کو ایک جنون تصور کیا جائے۔ اندازہ لگائیے کہ اس میں اخلاقی پہلو کہاں تک ملحوظ ہوگا اور ایسے نظام

سے ایک صالح تمدن کے وجود میں آنے کی اُمید کسی بنیاد پر کی جا سکتی ہے۔ بخلاف اس کے اسلام کے نظامِ زندگی کو ملاحظہ فرمایئے جس کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پر قائم ہے جو سب سے پہلے انسان کو حیوانیت کے تاریک غار سے نکال کر انسانیت کے صحیح مقام سے روشناس کراتا ہے۔ اس کے دل و دماغ میں راسخ تصور قائم کرتا ہے کہ مخلوق سے ماوریٰ بھی ہستی ہے جو ساری طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور مختار مطلق ہے۔ یہ زندگی اسی کی عطا کردہ نعمت ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جس میں سے پھر اس زندگی کا پورا حساب و کتاب دینا ہے اور اس کے سامنے سوال و جواب سے دوچار ہونا ہے۔ اس کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہے جسے اسلام نے حیاتِ دوام کہا ہے اور زندگی دنیاوی زندگی کی نتیجہ و ثمر ہوگی۔ یہ اسلام کا ایک ایسا بنیادی تصور ہے جو سرچشمۂ خیر ہے اور تمام شر و فساد کی بنیاد جڑ سے اکھیڑ پھینکتا ہے۔

اسی تصور لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر اس نے ایک ایسا صالح اور کامیاب نظام زندگی قائم کیا جو دنیا کے جملہ نظام زندگی سے زیادہ مستحکم ٹھوس اور کامیاب ثابت ہوا۔ اور پھر دنیا کے جملہ نظاموں نے اس کی خوشہ چینی کی۔ اس نے ایسا صالح تمدن قائم کیا جس سے ساری دنیا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

مذہب کے متعلق اشتراکی مفکرین کے جو نظریات ہیں اس کے جواب میں جناب مظہر الدین صاحب کی تصریحات سے ایک مختصر وہ اقتباس نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو انہوں نے اشتراکیوں کے نظریات مذہب پر جواب دیا ہے۔

چنانچہ وہ صفحہ نمبر ۱۳۵ میں لکھتے ہیں کہ یہ خیال بنیادی طور پر لغو اور مہمل ہے۔ یا تو اس کے پیش کرنے والے قطعی طور پر مذہب کی تاریخ سے ناواقف ہیں یا پھر وہ واقعات کی صورت کو اپنی خواہشات کے مطابق عمداً مسخ کر کے غلط طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ یہ اشتراکیت پسندوں کا ایک مرغوب مشغلہ ہے۔ پوری تاریخ ان کی اس غلط بیانی کی تردید کرتی ہے۔ تاریخ میں جہاں کہیں کسی دینی تحریک کی ابتداء ہوئی ہے اس نے ہمیشہ مظلوم انسانوں کا ساتھ دیا ہے۔ ظلم غصب اور ذاتی اغراض و منافع پیشِ نظر رکھنے والے ہمیشہ مذہب کے شدید ترین دشمن رہے ہیں۔ انبیاء کو کفار کی طرف سے عام طعنہ یہ دیا جاتا تھا کہ دنیوی وجاہت کا مالک کوئی انسان تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ تمہارے متبعین سب کے سب ایسے ہیں جنہیں سوسائٹی میں کوئی قدر و منزلت حاصل نہیں۔ ان کے اندر صحیح قوت فیصلہ ہی موجود نہیں ہے۔

قرآن نے انہیں کے قول کو اس طرح نقل کیا مَا
نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ
اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا
نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ترجمہ:۔

ہم نہیں پاتے تم کو مگر اپنے ہی جیسا انسان اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کی ہو مگر ان لوگوں کو جو ہم میں کمینے ہیں۔ بے سمجھے بوجھے اور تم کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

سورۂ ہود رکوع ۳

قریش اسی لئے آخر دم تک مسلمانوں سے برسرپیکار رہے کہ اسلام اس معاشرتی اور سیاسی تفوق کو مٹا رہا تھا جو انہیں معاشرے میں حاصل تھا۔

چھٹی صدی عیسوی میں جزیرۃ العرب کے حقوق یافتہ طبقات اسلامی تحریک کی ترقی سے خائف و ہراساں تھے۔ اسلام کی فتح دراصل مساوات کی فتح تھی۔ اور یہی اسکی فوری ترقی اور حیرت انگیز کامرانی کی بہت بڑی وجہ ہے۔

انسان کے لئے افیون ہونا درکنار اسلام تاریخ میں ایک عظیم ترین انقلابی قوت ہے جس کے سامنے فرانسیسی انقلاب یا روس کا انقلاب بالکل ہیچ نظر آتے ہیں۔ روس کا انقلاب ایک ایسے رقبہ میں برپا ہوا جو آبادی کی کثرت رقبہ کی وسعت اور قدرتی وسائل کی فراوانی کے لحاظ سے دنیا کے تمام ملکوں پر فائق ہے۔ اسکے باوجود ایک طاقتور دشمن سے اپنے اولین تصادم کے موقع پر وہ اپنے خول میں سمٹ کر رہ گیا اور اس کو محض اپنی حفاظت اور بقا کے لئے دوسروں کی مدد کا دست نگر ہونا پڑا۔ لیکن اسلامی تحریک جملہ تمدنی اثرات کے دور میں ایک خشک بنجر بے برگ و گیاہ اور قلیل آبادی رکھنے والے خطۂ زمین سے اٹھی اور فتحمندانہ شان کے ساتھ پھیلتی اور وسیع ہوتی چلی گئی۔

حتیٰ کہ ہندوستان کے سرحدوں سے لیکر بحر اوقیانوس کے سواحل تک ایشیا اور افریقہ کا بیشتر حصہ اس حلقۂ اقتدار میں آ گیا۔

بقیہ صفحہ ۸۸ کہا میرا پروردگار حوروں سے میرا نکاح کرے گا۔ چنانچہ ہم جہاد میں گئے اور وہ غلام شہید ہو گیا۔ ہم نے اس کا سر تو ایک جگہ اور جسم دوسری جگہ پڑا دیکھا۔ تو ہم نے اس سے کہا تو کتنی حوروں سے شادی کیا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر تین انگلیوں سے اشارہ کیا۔



از
عبدالقادر باشاہ اکرمی بھٹکلی
زمرۂ ثالثہ لطیفیہ عربی کالج
حضرت مکان ویلور۔

نحمدہٗ ونصلے علیٰ رسولہ الکریم

مجاہد و شہید کے یہ بانکپن عجیب ہیں
حیات اگر حیات ہے، تو موت بھی حیات ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، اور جہاں اس نے بہت سی نعمتوں سے نوازا وہاں اس نے شہادت جیسی عظیم الشان نعمت سے بھی سرفراز کیا۔ شہادت کے معنی ہیں حاضر ہونا۔ گواہی دینا اور شہید اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو کہ کل قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک گواہی دے کہ ہم نے دنیا میں توحید ورسالت کے خاطر خدا کی راہ میں کافروں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان دی ہے۔

مگر قرآن شریف میں یہ لفظ اس سے زیادہ عام معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین
انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین
والشہداء والصالحین، وحسن اولئک رفیقا

"جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ یعنے نبیوں کے صدیقوں کے، شہیدوں کے، اور صالحوں کے اور رفاقت کے" کیا کہنے ہیں اس آیت میں انعام خداوندی سے سرفراز ہونے والوں کے جو چار درجے ہیں اسکی سید الاولیاءؒ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نبی وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آوے یعنی فرشتہ ظاہر میں پیغام کہہ آوے، اور صدیق وہ جو وحی نہ آوے، ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے۔ اور شہید وہ جن کو پیغمبر کے حکم پر ایسا صدق (یقین) آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں۔ اور نیک بخت صالح وہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہو۔

لیکن حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں شہید سے مراد کافروں کے ہاتھوں سے مرجانے والا نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ آیت میں جس شہادت کا ذکر ہے وہ دین کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور کافروں کے ہاتھ سے قتل تو بعض اوقات فاسق بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر کافروں کے ہاتھ سے ہی قتل ہونا مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے مومن بندے جام شہادت کے ہر وقت مشتاق و خواہشمند رہتے تھے۔ اور اس عظیم مرتبہ کے لئے دعا کرتے تھے۔ کیا خدائے تعالیٰ ان پر کافروں کو مسلط کر کے ان کے ہاتھ سے قتل کرواتا تھا۔ "نہیں"۔ ہرگز نہیں، بلکہ شہید سے وہ حق پرست جو اللہ تعالیٰ کے دین کی حقانیت و صداقت کی گواہی کبھی زبان سے دے اور کبھی

شمشیر سے دے، اور اپنے دائرہ عمل میں مرکز عدل سے ذرا بھی ادھر اُدھر نہ ہٹے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط۔ یعنی فرشتے اور اہل علم عدل پر قائم رہتے ہوئے گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(لغات القرآن)

شہادت کی فضیلت میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون "ترجمہ" جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر ہم نہیں جانتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیل اللہ صفاً کانھم بنیان مرصوص۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کے راستے میں ایک آہنی دیوار کی طرح صف بستہ ہو کر جہاد کریں۔

تیسری جگہ ارشاد فرماتا ہے ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیہ حقاً فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذالک ھو الفوز العظیم۔ ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے، لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کرتے ہیں اور شہید کئے جاتے ہیں، جو تورات اور انجیل اور قرآن میں وعدہ حق ہے اور جس نے اپنا وعدہ اللہ سے پورا کیا تو خوشخبری ہو اس بیع پر اور یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاءٌ۔

ترجمہ: اور مت گمان کرو ان کو جو قتل ہوئے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں وہ خوش و خرم ہیں، اور اپنے رب کے نزدیک سے ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

اور حدیث میں آیا ہے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ما من کلم یکلم فی سبیل اللہ الا جاء یوم القیامۃ کھیئۃ یوم کلم لونہ لون دم وریحہ ریح مسک۔ ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی زخمی ایسا نہیں، جو خدا کی راہ میں زخمی ہو، مگر قیامت کے دن ایسی حالت میں آوے گا رنگ اس کا خون کے مانند ہوگا مگر خوشبو مشک کی ہوگی۔

اسی طرح بخاری و مسلم دونوں میں ہے کہ شہداء کا خون بیرنگ

ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ خون کا رنگ خون جیسا اور زعفران جیسا ہوگا اور خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

اسی طرح ایکمرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمایا الجنۃ تحت ظلال السیوف ترجمہ: جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔ نیز ارشاد فرمایا طلب الشہادۃ صادقًا اعطیھا ولولم تصبہ جس نے شہادت کی سچی طلب کی تو اس کو اس کا اجر ملے گا اگرچہ اس کے نصیب میں نہ آوے۔

مسلم شریف جلد اول میں ہے: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لوددت ان اغزو فاقتل ثم اغزو فاقتل (ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے محبت کرتا ہوں کہ لڑوں خدا کی راہ میں۔ پس شہید کیا جاؤں، پھر لڑوں پھر شہید کیا جاؤں پھر لڑوں پھر شہید کیا جاؤں۔

ناظرین! اندازہ لگایئے کہ شہادت کا کیا مرتبہ ہے اور اسکی کیا عظمت اور مقبولیت عند اللہ ہے کہ اللہ کے محبوب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شہادت کی آرزو کی۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا نہیں کہ جنت میں جاکر واپس ہونے کا نام لے اور نہ اس کا دنیا میں کچھ ہے مگر شہید کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں واپس آئے پس لڑے اور شہید کیا جائے اور اس لفظ کو آپ نے دس مرتبہ دہرایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ سبب اس کے کہ وہ شہادت کے مرتبہ کو دیکھتا ہے۔

اسی طرح ایک مقام پہ صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے قرض کے شہید کے تمام گناہ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

چند تاریخی واقعات پیش ناظرین ہیں۔ اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شہادت کا کیا مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے شہید ہونے والوں کو کیا فضیلت و بزرگی بخشی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ چوروں کی ایک جماعت معبد میں داخل ہوئی، وہاں ایک عابد کو پاس پایا۔ اس عابد کا ایک لڑکا تھا جس کے پاؤں رہ گئے تھے۔ عابد نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ کہا نمازیوں کی جماعت۔ اس نے تعظیم و توقیر سے بٹھایا اور خاطر و مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ چلتے وقت عابد نے ان کے چھاگلوں میں سے پانی لے کر اپنے لڑکے کے پاؤں دھلائے۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ صبح ہوتے ہوتے وہ بالکل تندرست ہوگیا اور وہ چلنے پھرنے لگا۔ چوروں نے معبد سے نکل کر راستے میں ڈاکہ زنی کی اور لوٹ کا مال لیکر پھر اسی معبد میں واپس آگئے۔ دیکھتے کیا ہیں۔ جو جس لڑکے کو اپاہج چھوڑ گئے تھے وہ اس وقت سیدھا کھڑا ہے۔ انہوں نے حیرت سے اس کے باپ سے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کس طرح اچھا

ہوگیا۔ عابد بولا میں نے تمہارے چھاگلوں میں سے تھوڑا پانی لیکر اس کے پاؤں دُھلایا۔ خدائے تعالیٰ نے اس سے شفا بخشی۔ چور ۔۔۔ حیران ہو کر کہنے لگے کہ ہم مجاہد نہیں ہیں بلکہ راہزن اور چور ہیں۔ یہ صرف تیری حسنِ نیت کی خوبی تھی، یہ کہہ کر انہوں نے رہزنی سے توبہ کی اور راہِ خدا میں جہاد کرنے کیلئے نکلے۔

اسی طرح دوسرا واقعہ ہے، ایک صالح شخص کہتا ہے کہ میں ایک شخص کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا جو اثناءِ طواف میں کہہ رہا تھا "اے میرے مالک تو نے اس محروم کے ساتھ کیا کیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا یہ تو کیا کہتا ہے، اسکی اصل کیا ہے۔ کہا ہم دس آدمی راہ خدا میں جہاد کیا کرتے تھے، ایکدفعہ ہم دشمنوں کے گھیرے میں آ گئے اور ہمکو دشمنوں نے گرفتار کرکے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان دس آدمیوں کی گردنیں اڑا دی جائیں، سب ایک میدان میں جان دینے کیلئے کھڑے کئے گئے تو میں نے آسمان کی طرف آنکھ اٹھائی، دیکھتا ہوں دس حوریں برہنہ کھڑی ہیں۔ جونہی جلاد نے ہم میں سے ایک شخص کی گردن ماری تو ایک حور جسکے ہاتھ میں جنت کا رومال تھا نیچے اتری اور اسکی روح کو رومال میں لپیٹ کر آسمان پر چڑھ گئی۔ اسی طرح نو آدمیوں کے ساتھ برتاؤ کیا گیا۔ مگر جب میری طرف جھکا اور حور میرے قریب آئی تو لوگوں نے میری شفاعت کرکے خون کو معاف کرا دیا جیسے ہی بادشاہ کی زبان پر میری معافی کی نسبت لفظ جاری ہوئے تو حور آسمان پر چڑھ گئی۔ وہ اوپر چڑھتی جاتی اور یوں کہتی جاتی تھی کہ اے محروم، اے بے نصیب!

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا واقعہ ہے کہ جب حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا محاصرہ کیا تو آپ کے پاس ایک حبشی غلام آکر کہنے لگا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر اسلام پیش کیجئے۔ آپ نے کلمۂ شہادتین اُسے تلقین کئے اور اُسے اسلامی دنیا میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک یہودی کی بکریاں چراتا ہوں۔ اب انہیں کیا کروں؟ اور اس کے مالک کے پاس کیونکر پہونچاؤں۔ آپ نے فرمایا ان کے منہ پر خاک کی ایک مٹھی مار دے، وہ فوراً اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی۔ حبشی نے بکریوں کے منہ پر مٹی ماری اور کہا کہ اپنے مالک کے پاس چلی جاؤ۔ بکریاں سیدھی چلی گئیں گویا کہ انہیں ہانکنے والا ہنکائے چلا جا رہا ہے۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر یہاں تک لڑا کہ شہید ہوگیا۔ اس کی لاش اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپ نے اسکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ لوگوں نے عرض کیا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس سے کیوں منہ پھیر کر رہے ہیں فرمایا اسواسطے کہ اس کے ساتھ اسکی بی بی حور موجود ہے جو اسکے چہرے سے مٹی جھاڑتی اور کہتی ہے، خدا اس کا چہرہ خاک آلود کیا اور اس کو قتل کر ڈالے جس ظالم نے تجھے شہید کیا۔

۴۔ محمود وراق کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک حبشی غلام تھا۔ میں نے اس سے کہا تو نکاح کیوں نہیں کر لیتا

تندرستی ہزار نعمت ہے

از حکیم زکی الدین احمد صاحب رضا۔ نظامیہ دواخانہ پرنام بٹ

تندرستی ہزار نعمت ہے، کہنے والوں نے کہا، سننے والوں نے سنا، لکھنے والوں نے لکھا۔ افسوس کہ کوتاہ بینوں نے اسے شاعری سمجھا اور اسے نظر انداز کر دیا۔ مگر سمجھنے والوں نے سمجھا اور للکارا کہ یہ شاعری نہیں — حقیقت ہے، وہ کیسے؟

آپ جانتے ہیں کہ ہر انسان کی دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ خوشی و خرمی اور چین و سکون کی زندگی گذارے، اور یہ ممکن نہیں۔ جب تک آدمی کو پوری طرح تندرستی حاصل نہ ہو۔ اسی لئے تو عقلمندوں نے بیماری کو افلاس و تنگدستی سے بدتر قرار دیا کیوں کہ تندرستی اگر حاصل ہے تو دولت کا کمانا بھی آسان ہے، مگر دولت کے ساتھ بیماری ہے تو رہی سہی دولت کو بھی زوال آ جاتا ہے۔

چہ نالد کسے از تنگدستی — گنجے بے قیاس است تندرستی

یہی نہیں کہ تندرستی دولت کمانے کا ذریعہ ہے، بلکہ انسان کی ساری زندگی کے امور کا حسن و خوبی سے انجام پانا اسی پر موقوف ہے، حتی کہ عبادات کی ادائیگی اور تحصیل علم بھی صحت پر موقوف ہے۔ حالت صحت میں جس حسن و خوبی کے ساتھ عبادات ہو سکتے ہیں حالتِ مرض میں کسی طرح اطمینان و سکون سے عبادت ادا نہیں ہو سکتی۔ خواہ تکلیف و درد مرض معمول ہی کیوں نہ ہو۔ بہرحال

تندرستی کی نعمت ایک حقیقت ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت تندرستوں سے نہیں، بیماروں سے ملتا ہے اور بیماری کے بعد ہی تندرستی کی قدر و قیمت سمجھ میں آتی ہے۔ آنکھ کی تکلیف شروع ہونے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ کتنی بڑی دولت ہے۔ جس کے پیٹ میں درد ہے اس سے چل کر پوچھئے کیسی مصیبت میں مبتلا ہے؟ ضعف دماغ، درد سر اور بے خوابی کی مریض سے دریافت کیا جائے۔ وہ نیند جیسی کتنی بڑی نعمت سے محروم ہے۔ اعصابی امراض میں مبتلا اشخاص سے ملاقات کیجئے کہ وہ اطمینان و سکون کی دولت سے کس قدر محروم نظر آتے ہیں۔ غرض جو شخص بیمار ہے، وہی جانتا ہے کہ اس پر کیا گذرتی ہے اور وہ اپنی تندرستی کے مقابلہ میں اپنی ساری دولت اور نعمت کو ہیچ سمجھتا ہے۔ دولت قدموں پہ پڑی ہوئی ہے، آسائش و آرام کے ساز و سامان سے سارا گھر بھرا ہوا ہو لیکن دولتمند مریض کے لئے ساری نعمتیں وبالِ جان بن جاتی ہیں۔ بے ساختہ اسکی زبان سے نکلتا ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے بیشک تندرستی ہزار نعمت ہے لیکن سوال یہ کہ بیماری تو خدا کی طرف سے اور غیر اختیاری طور پہ آتی ہے، اس سے کیونکر بچا جائے؟

یہ سوال پیدا ہونے کا سبب دراصل وہ غلط فہمی ہے کہ ہر اختیاری چیز کو بھی غیر اختیاری سمجھ لیا گیا ہو، اور اپنے آپ کو قدرت کے ہاتھوں مجبور تصور کر لیا گیا ہو۔

بے شک بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ ان کا آجانا قدرت ہی کی طرف سے معلوم ہوتا ہے اور آدمی کی بے بسی مسلّم ہے، لیکن اکثر بیماریاں ایسی ہیں کہ اسکی ابتدائی ہسٹری لینے کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ آدمی نے باقاعدہ اس کی دعوت دی ہے اور یہ مرض اسی کی کمائی ہے۔ لاپرواہی اور بے احتیاطی کے نتیجہ میں مرض نے جنم لیا ہے۔ مثلاً ان دنوں دماغی کمزوری کا مرض عام ہے۔ قوت حافظہ نہ ہونا، اور بے خوابی کی شکایت بہت رہتی ہے، دردِ سر ہمیشہ رہتا ہے، نیز ضعف بصارت بھی بہت عام ہے، بلکہ بعض نوجوانوں کو آنکھوں کے آپریشن تک کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی طرح کھانسی نوجوانوں میں زیادہ ہے جس سے رفتہ رفتہ پھیپھڑے مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سانس کی تنگی یا سانس کا پھولنا بھی دیکھا جاتا ہے بلکہ ہے سینہ سے بلغم کے ساتھ خون بھی نکلنے لگتا ہے۔ بھوک کا زائل ہو جانا۔ بدہضمی بار بار بخار وغیرہ کی تکلیف شروع ہو جانا یہ سب نتیجہ ہوتے ہیں ہماری بے احتیاطی کا مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ہمارے دماغ سے ہم وقت بے وقت اس قدر کام لیتے ہیں کہ دماغ بہت جلد تھک جاتا ہے اور ضعفِ دماغ کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس ضعف سے بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح آنکھوں کی تکلیف شروع ہونے کا سبب دھندلی روشنی میں مطالعہ کرنا، بہت زیادہ جاگنا، لیٹے لیٹے کتب بینی، چاند کی روشنی میں مطالعہ کرنا اور مسلسل پڑھتے ہی رہنا۔ رات گئے تک جاگنا، دن چڑھے تک سونا، نیز سینہ اور پھیپھڑوں کی حفاظت کا خیال نہ کرتے ہوئے بیڑی سگریٹ نوشی کی عادت، گندہ ماحول اور مختلف لوگوں اور بیمار لوگوں کی سانس والی فضا میں سانس لینا جیسا کہ سینما ہالوں میں ہوا کرتا ہے۔ بہرحال یہ سب ایسی صورتیں ہیں اگر ایک آدمی ان چیزوں سے بچ کر اپنی صحت کی حفاظت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ وہ قدرت کے ہاتھوں مجبور نہیں ہے لیکن آدمی کو اپنی صحت کی حفاظت کا خیال کب ہوتا ہے جبکہ وہ کسی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

دانشمندوں کا قول ہے، "حفظ ما تقدم علاج سے بہتر ہے" یعنے آدمی بیمار ہو کر علاج کی طرف متوجہ ہونا کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ دانائی تو یہ ہے کہ مرض پیدا ہونے سے پہلے ہی، اسکی حفاظت اور روک تھام کا سامان کر لے، جاننا چاہیئے کہ جس طرح صحت مند زندگی کا انحصار حرکت پر ہے، اسی طرح سکون بھی لازمی ہے۔ حرکت کی زیادتی اور مسلسل حرکات بھی مرض پیدا کر دیتے ہیں، اسی طرح مسلسل سکون بھی آدمی میں جمود اور تعطل پیدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا ہر عضو کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اسکی طاقت کے مطابق اعتدال کے ساتھ حرکت اور سکون کے مواقع فراہم کرنا۔ اگر ذرہ بھی ہم نے اعتدال سے منہ موڑا فوراً کسی تکلیف یا مرض نے جنم لیا، اس لئے دماغی محنت کرنے والوں کے لئے لازم ہے کہ چند گھنٹے دماغ کو سکون دیں، تاکہ

ودماغ بدل یا بیحل حاصل کرلے، اگر مسلسل دماغ سے کام لیا گیا تو دماغ بہت جلد تھکان محسوس کرتا ہے جس کے نتیجہ میں مسلسل بے خوابی یا نوم مفقر کا مرض لاحق ہوگا۔ قوت حافظہ زائل ہو جائے گی اور دماغ محنت کے لئے آمادہ نہ ہوگا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض طلبا و سال بھر دماغ کو معطل رکھتے ہیں۔ جوں ہی سر پہ امتحان آتا ہے اس قدر محنت کرتے ہیں اور مسلسل راتوں کو جاگتے ہیں کہ امتحان جوں ہی ختم ہوا صحت بیمار ہو جاتے ہیں، یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رات بھر جاگتے رہے، امتحان ہال میں پرچہ لکھنے وقت دماغ تھک کر اس وقت سکون چاہتا ہے اور طالب علم دماغ کو متحرک رکھنا چاہتا ہے نتیجہ پرچہ خراب ہوتا ہے ساری محنت رائگاں جاتی ہے۔ اسی طرح آنکھوں سے بھی اتنی محنت نہ لی جائے کہ آنکھیں خراب ہو جائیں۔ چاند کی روشنی یا دھندلکے میں کبھی نہیں پڑھنا چاہیئے۔ غروب آفتاب کے وقت بھی مطالعہ مضر ہے۔ لیٹے لیٹے کتب بینی سے بھی آنکھیں بہت متاثر ہوتی ہیں۔ آنکھوں کو صرف مطالعہ ہی کے لئے وقف نہیں کرنی چاہیئے۔ کبھی کبھی تفریح گاہوں کھلے میدانوں میں بھی آنکھوں سے دور کی چیزیں دیکھنے کی مشق کرنی چاہئے۔ نیز تر و تازہ سبزیوں کا مشاہدہ بھی آنکھ کے لئے مفید ہے۔ مطالعہ کرتے کرتے جب آنکھیں بیکا چوندہوں زنگیں اور تکلیف معلوم ہو فوراً مطالعہ ختم کردیں۔ ہوسکے تو تھوڑی دیر سو جائیں۔ خواہ مخواہ کتاب پڑھنے ہی نہ بیٹھ جائیں عموماً ایسی بے احتیاطی طالب علموں سے ہوتی ہے جن کو زمانہ تعلیم میں اپنی صحت کا چنداں خیال نہیں ہوتا۔ نیز اعضاء صدر اور پھیپھڑوں کی حفاظت کے لئے تازہ اور صاف ہوا میں سانس لینے کا اہتمام کرے تاکہ آکسیجن کافی مقدار میں حاصل ہو اور کاربن ڈائی آکسائیڈ اچھی طرح خارج ہو جائے۔ جہاں تک ہو سکے گندی اور خراب ہوا سے اجتناب کرے۔ بیڑی سگریٹ کا دھواں یا اور کوئی زہریلا دھواں یا گیس، منہ ناک میں داخل ہونے نہ پائے۔ معدہ یا اعضاء ہضم کی حفاظت کیلئے لازم ہے کہ کھانا بھوک کے ساتھ وقت پر اور محدود مقدار میں کھائیں اور یہ عادت ترک کردی جائے، کہ جب بھی کوئی مزے دار چٹ پٹی چیز سامنے آگئی فوراً منہ میں چلی گئی، معدہ اور امعاء کے انکار کے باوجود ہر چیز کا کھا لینا معدہ پر ظلم کرنا ہے جس سے بدہضمی، ریاح کی تکلیف، سینہ کی جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ معدہ کمزور ہو جاتا ہے اور اپنا فعل چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کے نتائج بھیانک ہوتے ہیں۔ لہٰذا معدہ آنتوں کی طلب اور حسب برداشت ہی غذا کھائیں۔

اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو ہمارا موجودہ نظام زندگی کچھ اس طرح بدل گیا ہے اور تہذیب کچھ اس قسم کے سانچے میں ڈھل چکی ہے کہ ہم نے اپنی تندرستی کو فراموش کر دیا اور بدنی قوتوں کا صحیح استعمال ہم نے ترک کر دیا اور اصول حفظان صحت کو نظرانداز کردیا۔ آج بھی ہم حفظ صحت کے اصول کی پابندی کریں تو یقیناً ہماری تندرستی میں اضافہ ہوگا اور بہت سے امراض سے بچاؤ ہوگا۔ اگر آدمی اپنے بدن کے تمام اعضاء کا صحیح استعمال جان *

* سے اور ہر عضو کو ٹھیک استعمال کرے تو یقین جانئے ایسا شخص جسمانی اور روحانی سکون حاصل کر لیگا۔ امن اور چین کی زندگی بسر کرے گا۔ اور بیشتر امراض سے محفوظ رہے گا اور وہ اپنی زندگی کا صحیح اور حقیقت، خوب تر جمانی کرے گی۔ "تندرستی ہزار نعمت ہے"۔ من شاء فلیجرب

علم اور عمل، عقل و دانش کی عدالت میں

(از)
حکیم سید افسر باشاہ (پرنام بٹ) مالک "دار الشفاء" گوالہ پورم گڑیاتم (ڈی اے)

مضمون ڈرامے کے روپ میں ہے، لیکن اس قابل نہیں کہ اسٹیج پر کھیلا جائے۔ افسر

(مولوی امجد اپنے کمرے میں مطالعہ میں مشغول ہیں، اتنے میں ان کے دوست ظہیر آتے ہیں۔)

"آداب عرض ہے"۔

"افوہ! آپ خوب آگئے ابھی میں خود حاضر ہونے والا تھا کہئے خیریت تو ہے نا؟" امجد نے کہا۔

ظہیر۔ کیوں بھئی کس لئے حاضری دینے کا قصد تھا کیا بات ہے؟

"کچھ نہیں عرصہ ہوا خیریت پوچھی گئے اور ساتھ ہی دل بہلائی کی غرض بھی تھی، اور ویسے کچھ باتیں عرض کرنی تھیں"۔ امجد نے کہا۔

"اچھا تو فرمائیے وہ کونسی ایسی بات تھی جسکو آپ نے اتنی اہمیت دے رکھی ہے!

امجد ہاں ہاں جب آپ کے پاس اسکی اتنی اہمیت نہیں رہی تو رہنے دیجئے اس کو پھر کبھی پوچھ لیں گے۔

ظہیر مولوی صاحب! کیا فرمائے جاتے ہو؟ یہ قہر کس لئے میں نے بات سمجھی ہی نہیں، صاف کہتے کیوں نہیں کس بات نے آپ کو اکسایا ہے؟

"تعجب ہے، اشاروں کنایوں کو تو سمجھ جائیں، اس موٹی بات کے سمجھنے میں ابھی دیر ہے۔ آپ ان باتوں کو کاہے کو سمجھئے گا، اپنی بات ہوتی تو خوب سمجھ جاتے۔

دو ہی ایک دن پہلے دلی کی میری تقریر میں عرض کیا تھا "علم مشکل ہے عمل آسان ہے" سنا ہے کہ آپ کو اس سے بیر ہے اور سخت اختلاف ہے۔ آپ نے یہ کہہ کر مذاق اڑایا ہے اور ناس مارا ہے کہ ابتک تو ہم "علم آسان ہے اور عمل مشکل ہے" سنتے رہے اور آج مولوی صاحب اسکی کایا پلٹ دی ہے۔

آپ مولوی تھوڑا ہی ہیں کہ اس باب میں قدم رکھیں، اور دخل اندازی سے کام لیں، پھر اس ناجائز جائزہ سے آپ کو کیا فائدہ؟ آپ اپنے کام کئے جاؤ، دوسروں کے درپئے تو ہین نہ ہو جاؤ، اب کے ایسی باتیں سنوں گا تو چھوڑوں گا نہیں۔ دوستی ہر حال میں دوستی ہی ہے لیکن حق و باطل کے آگے مولوی کبھی اپنے دوست کی پرواہ تک نہیں کر سکتا وہ باطل کے مٹانے میں اسطرح مستعد رہتا ہے کہ سب غلامانِ محمدؐ جان دینے پر نہیں ڈرتے۔ یہ سر رہ جائے یا کٹ جائے کچھ پرواہ نہیں کرتے

مولوی امجد کے جوشِ تقریر نے جناب ظہیر کے ہوش گم کر دیئے اور وہ حیران و ششدر مولوی صاحب کا منہ تک رہے تھے۔

اتنے میں ظہیر کے بھائی مولوی نسیم آ گئے۔!

س (۲)

میں نے کہا السلام علیکم!

"وعلیکم السلام نسیم! تشریف رکھئے کہاں چلے گئے تھے، ابتک تو بڑی دلچسپ باتیں رہیں آپ بھی ہمارے ساتھ ہو لیتے تو چار چاند ہی لگ جاتے" امجد نے کہا۔

ظہیر "اچھا تو میں چلا" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہو گئے۔

امجد۔ کیوں بھئی بیٹھئے نا ابھی کچھ دیر، اپنے بھائی کی آمد سے شاید حجاب ہے اور "آب آمد تیمم برخاست" والی بات ہے۔

یہ سُن کر ظہیر مسکراتے ہوئے باہر کو چلدئے اب نسیم صاحب نے پوچھا بتاؤ جناب کیا باتیں رہیں؟

"کیا کہیں صاحب آجکل جرح قدح، نقد و تبصرہ کا باب عام ہو چکا ہے، ہر کس و ناکس، اہل و نااہل، عالم و جاہل سبھی اس میں مبتلا ہیں۔

پرسوں میں نے اپنی تقریر میں کہا تھا "عمل کرنا تو آسان بات ہے لیکن علم سیکھنا بہت مشکل ہے"۔ اس پر بھیا ظہیر کو کیا سوجھا خدا معلوم، اُنہیں یہ بات شاق گزری، خوب ہی تردید و تنقید کا باب کھولا اور اسکو غلط ثابت کرنے کی خاطر کمربستہ ہو کر ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اسی لئے تو میں نے انہیں خوب جھنجوڑا ہے تاکہ وہ اب کی ایسی حرکت اور جرأت نہ کرنے پائیں" امجد نے کہا۔

نسیم "مولوی جی! ذرا ہوش سنبھالئے اور غور کیجئے پروپگنڈوں سے قطع نظر بیچارے نے بات تو ٹھیک کہی تھی"۔

امجد خوب جناب حق برادری تو خوب ادا کیا" آپ جیسوں کی زبان سے یہ الفاظ"! ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

آپ جانتے ہی ہیں کہ علم عالم کی صفت ہے اور عالم کی فضیلت اسکی صفت ہی کی وجہ سے ہے نہ کہ ذات سے۔ لہٰذا آپ کسی عالم کی قدر و منزلت، وقعت و عزت، عظمت و احترام کیجئے گا تو یہ درپردہ اسکی ذات کی عظمت نہیں اس کے صفاتِ علم کی عظمت ہے، یا بالفاظ دیگر عالم کی تذلیل، توہین اور تحقیر اصل میں اسکے علم کی تذلیل و تحقیر ہے۔ اور اسکی تعظیم و تکریم اور توقیع و توقیر درحقیقت اسکے علم کی تعظیم ہے۔ ورنہ ذات پات اور خلقت کے لحاظ سے تو عالم اور کیا جاہل سبھی یکساں ہیں اور بنی نوعِ انسان ہیں۔

تخلیقِ عالم کے بعد خلافتِ آدم کا مسئلہ بہت اہم تھا، پھر ملائکہ پر ترجیح آدم کا سبب ان کا علم ہی تھا چنانچہ قرآن شاہد ہے اور علی الاعلان کہہ رہا ہے "وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ" تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ آدم کے علم ہی نے اُنہیں مستحق خلافت ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ جیسی نص صریح علم کی کس درجہ اہمیت اور فوقیت پر دلالت کر رہی ہے۔ غرض ایک طرف قرآن نے علم

اور اسکے حامل یعنی عالم کی بے انتہا فضیلت، اعلیٰ مرتبت اور منقبت کا سبق دہرایا ہے اور للکار کر پکارا ہے تو دوسری طرف احادیث نے اس کے رفیع الشان ہونے کا اعلان کیا ہے۔ تاروں اور چاند سے اسکی تمثیل و تعبیر اور تشبیہ دی ہے، اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے "جو عالم (صرف نماز پڑھ لیتا ہو اور اس کے بعد علم کی مجلس میں بیٹھ کر لوگوں کو خیر اور بھلائی سکھلاتا ہو) اسکی فضیلت اس عابد پہ (جو دن کو روزے رکھتا ہو اور رات بھر نمازیں پڑھتا ہو) ایسی ہے جیسی کہ میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پہ ہے۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے "میری اُمت کے عالم بنی اسرائیل کے نبیوں کے برابر ہوں گے۔ نیز علم کا سیکھنا ہر مسلمان پہ فرض عین ہے"۔ کا مبارک فرمان بھی سنئے، کتنا بلند و ارفع فرمان ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے "ایک عالم دین جسے تفقہ فی الدین حاصل ہو، یہ ہزار عابدوں اور زاہدوں پر بھاری ہوتا ہے"۔

ان سب سے علم اور حاملین علم کی فضیلت روز روشن کی طرح ظاہر و باہر اور اظہر من الشمس ہے۔

مولوی صاحب! آپ نے سُنا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے کہ شریعت نے مطلق علم سے فقط علم دین ہی مراد لیا ہے۔ ویسے علوم تو بہت ہیں لیکن یہ سب فروع ہیں، اسی کے مقصود قرآن و حدیث ہی ہے۔ مگر ان کے علاوہ دوسرے علوم و فنون جیسے صرف و نحو منطق و فلسفہ اور ہیئت وغیرہ یہ سب اسکے فروعات میں سے ہیں، جو اصولات کیلئے بمنزلہ مقدمات و لوازمات ہیں اور قاعدہ ہے کہ "الشیئ اذا ثبت، ثبت بلوازمہ" جو علم کہ اصل کے لئے ممد و معاون ہوگا وہ درحقیقت اصل ہی کہلائے گا اور جو اس کے خلاف ہوگا وہ یقیناً اصل کہلائے جانے کا مستحق نہ ہوگا۔ کسی نے اسی کو کہا ہے ؎

علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث
غیر ازیں خواند اگر گردد خبیث،

جہل کے مقابل علم ہے اور ہر شئی چیز کا انکشاف حصولِ علم ہے جیسے تجارت کا علم، زراعت کا علم، کتابت کا علم، غرض معماری نان بائی خیاطی وغیرہ تمام ضروریات کا علم، علم ہی تو ہے۔ لیکن شریعت کی معیار کسوٹی نے اس کو کچھ اور ہی قرار دیا ہے، غرض ان علوم کا جان لینا اور سیکھ لینا تو کسی حد تک آسان ہی ہے اور اس کے مقابل عمل یقیناً مشکل ہے"۔ آگے کہتا ہوں کہ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ علم بحیثیت علم خواہ کوئی سا بھی ہو، دینی ہو یا دُنیوی ہر حال میں مشکل ہے۔ رہا کسی چیز کا جان لینا یہ اور بات ہے۔

علم کے معنی آتے ہیں جاننے کے، اور ہر شئی چیز کا انکشاف اور اسکی پہچان علم ہی ہے۔ مثلاً آپ نے ہاتھی دیکھا نہیں، پھر جب اسکو دیکھ کر پہچان لیا تو آپ کو اسکی شکل و صورت، وضع و ہیئت یا خوف و دہشت وغیرہ کا علم ہو گیا۔ اسی طرح سب کو قیاس کیجئے گا۔

شریعت نے اس علم کو علم قرار نہیں دیا ہے اور جو علم اس کے نزدیک مقرر و متعین ہے، وہ اتنا سستا اور آسان ہے نہیں کہ منٹوں اور گھنٹوں نہیں، ہفتوں اور مہینوں میں سمجھ آجائے

بلکہ ؎ پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے
بغیر اس کے نہیں پہچان سکتا ہم خدا کیا ہے

علم کے بہت سے ابواب ہیں۔ علم ظاہری بھی ہے باطنی بھی، پھر ظاہری کی بھی کئی قسمیں ہیں جیسے توحید کا علم، صلوٰۃ کا علم، زکوٰۃ کا علم، حج کا علم، خرید و فروخت کا علم، نکاح و طلاق اور حلال و حرام وغیرہ کا علم۔ اور باطنی کی بھی کئی قسمیں ہیں، ان میں رذیلہ بھی ہیں اور حسنہ بھی۔ منہیات میں سے کبر، حسد، عجب، بغض، حب جاہ، ریا، اور کینہ وغیرہ ہیں، تو مامورات میں سے اخلاص، اخلاق، توکل، اور تسلیم وغیرہ کا علم ہے۔

اب آپ سوچئے جس علم کا دائرہ اس قدر وسیع و بسیط ہو اور وہ بہت ہی ذو فنون ہو تو پھر ان سب کا احاطہ کرنا کیسے آسان ہو سکتا ہے بھلا!!

مولوی نسیم: اچھا! یہ الاپنا تم نے کہاں سے سیکھا سمجھتے ہیں ہم یہ لانبی چوڑی نصیحت جو کھینچ تان کر آپ نے پیش کی ہے یہ کس مولوی کے حق میں ہے، کیا سبھی مولوی اس میں داخل ہیں، یا کسی کی تخصیص بھی ہے؟ آپ کے اس بیان کا مقصد میں نے سمجھا نہیں کیا اس سے اظہار حق و صداقت ہی مقصود ہے یا اپنی چرب زبانی اور طمطراق سے مجھے متاثر و مرعوب کرنا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں قرآن جگہ جگہ عمل کی دعوت دے رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد اولیاء، صلحاء، اتقیاء اور ازکیاء رحمہم اللہ نے عمل ہی کی طرف بلایا تھا اور یہی چیز اس وقت مشرکین و منافقین کے لئے ناگزیر تھی۔ قرآن نے ہر بار "آمنوا" کے ساتھ ساتھ "وعملوا" بھی کہا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

ایک دوسری جگہ عمل کی دعوت دے رہا ہے اور بانگ دہل پکارتا ہے "مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ" الآیۃ
اس آیت نے عمل کی جانب خوب ہی بلایا ہے، لیکن قوم کا یہ حال ہے ؎

آمنوا میں تو سب سے آگے ہیں
"عملوا الصّٰلحٰت" مشکل ہے

دین اسلام نے عوام کو عمل کی جانب توجہ دلائی ہے بزرگان دین اور اہل حقیقت کے کلام کو دیکھئے ان کے نزدیک علم کی نسبت عمل کی اہمیت کس قدر تھی، چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

علم رسمی سر بسر قیل است و قال
کہ ازو کیفیتے حاصل نہ حال

اور فرماتے ہیں ؎

جملہ اوراق کتب در نار کن
سینہ را با نور حق گلزار کن

مولانا روم تو خیر بہت پہلے کے ہیں، آج کے اس ترقی یافتہ دور میں یہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے بھی کیا کہا ہے ؎

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور کسی نے کہا ہے ؎

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را
سیپارۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

ایک اور شعر بھی سن لیجئے کہنے والے نے کیا اچھا کہا ہے ؎

علم پر جبکہ عمل ہی نہیں پھر کیا حاصل
یوں تو شیطان سے بڑھکر نہیں عالم کوئی

(یہاں [illegible] آ سکتے ہیں)

"بھئی نسیم! آپ مولوی ہوتے علم اور اہل علم کے گولی چلا دی! محض برادری کی خاطر، خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی پرواہ نہ کی۔ کیا یہ حدیث آپکی نظر سے نہیں گذری؟ ....

فرمایا رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم ہو جاؤ یا متعلم ہو جاؤ، یا علم کی باتوں کے سننے والے رہو، یا (کم از کم) اسکے محبین ہی میں سے ہو جاؤ (یعنی علم کے دوست رکھنے والوں میں سے) بس ان چار جماعتوں میں سے جسمیں سے چاہو ہنو) باقی پانچویں جماعت میں سے یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو علم اور اہل علم کے دشمن ہیں۔

بہر حال آپ کچھ بھی کہہ لیجیئے میں تو یہی کہوں گا کہ نص صریح اور حدیث شریف میں علم اور حاملین علم کی بہت فضیلت وارد ہے، یہ ایک دولت ہے، نعمت ہے، اس سے محرومی یقیناً شومئ قسمت ہے۔ حضرت شیخ جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنے سالہا سال کے تجربے سے یہ اٹل اور "لم یزل" فیصلہ فرما دیا ہے، کہ

ع مرا بہ تجربہ معلوم گشت آخر حال
کہ قدر مرد بعلم است و قدر علم بمال"

رات کافی بیت گئی تھی دونوں کے سرگرم و دلچسپ مشغلہ نے پہلے ہی سے گرما دیا تھا، اب نیند کہاں آتی، پھر بھی آخر آرام تو لینا ہی ہے، اس لئے امجد نے کہا:۔

"مولوی صاحب! اس بحث کو رہنے دیجیئے، اب وقت کافی گزر گیا ہوگا، یہ لو بستر حاضر ہے، آرام کیجیئے گا۔

"کتنے بجے ہیں"۔ نسیم نے پوچھا

(گھڑی دیکھ کر) "اوہ! باتوں میں وقت ہی نہیں معلوم ہوا، بارہ بجنے میں اکتالیس منٹ ہو گئے ہیں"۔ امجد نے کہا۔

اچھا تو آپ نے اس مسئلہ کو کل کیلئے ملتوی کر دیا ہے، تو میرے خیال میں یہ نہ کل کو طے ہو سکیگا، نہ پرسوں کو، اس لئے کسی ثالث کا انتخاب بہتر ہے"۔ نسیم نے کہا۔

امجد کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ اتنے میں پردہ گرا، چراغ گل ہوا اور یہ لوگ سو گئے۔

("اللہ اکبر اللہ اکبر"۔ اذان کی آواز)

سین ۳

(دونوں نے بستر پر ابھی پوری طرح استراحت نہیں کیا اور تکیہ بھی نہیں لگایا اتنے میں مؤذن کی آواز امجد کے کان میں پڑتی ہے۔)

"او مولوی صاحب! یہ سنئے"...... (کچھ دیر بعد) "تو پھر" یعنی مطلب یہ تھا کہ ہم سو جائیں یا مسجد چل دیں۔

نسیم "اٹھئے صاحب چلیں گے..... یہ کہکر وہ خود بھی اٹھ جاتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر مشورہ ہوتا ہے کہ ہماری فریاد کہاں اور کس سے کی جائے...!

"عدالت عالیہ" (سپریم کورٹ) سے"۔ امجد نے کہا۔

(ٹیکسی کی آواز) او دیکھو ٹیکسی آرہی ہے۔ "ٹھہرئیے" نسیم نے کہا۔

سپریم کورٹ پہنچے، دونوں نے اتر کر فیس ادا کی، پھر اندرون کورٹ کی راہ لی اور وہاں پہنچے، جہاں زمانہ کے مشہور یگانہ وکلا، عقلاء، اور فضلا کی ایک بڑی جماعت بیٹھی انہیں ٹکٹکی باندھی، گھور رہی ہے۔

"یہ کون بندے ہیں پریشان حال نظر آتے ہیں"
(آپس میں اہلِ جماعت کی بات چیت)

نسیم امجد! مجھے نہ کلام کی ہمّت ہے نہ سلام کی جرأت۔

امجد۔ میرا بھی یہی حال ہے نسیم! کیا کیا جائے سوچ تو یہی رہا ہوں کہ کس سے بات چھیڑی جائے۔ اور دیکھو تو سہی، بڑی بڑی ہستیاں جلوہ افروز ہیں، اُدھر امام بیضاوی رح امام رازیؒ، علامہ تورپشتیؒ، علامہ طیبیؒ۔ علامہ شامیؒ اور صاحبِ روح المعانی رح جیسے باکمال عُقلاءِ صف آراء ہیں، اور ادھر مولانا رومیؒ، مولانا جامیؒ، امام غزالی رح اور جنید بغدادیؒ جیسے باصفا فضلاءِ رونق افروز ہیں۔ مجال ہے کہ کلام کیا جائے۔

آخر نسیم ہی آگے بڑھتے ہیں، دست بستہ ہو کر بغایت ادب نہایت دبی آواز سے۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام" کون چاہیئے کس سے بات کرنی ہے۔ (جماعت والوں میں سے کسی نے پوچھا۔)

"کچھ نہیں ہمیں ایک بات کی دریافت ہے اور وہ کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے سب کی رائے عالی پر موقوف و منحصر ہے۔ خصوصی اس جماعت کا فیصلہ (جرج منٹ) درکار ہے جو بفحوائے

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

کا اپنے اندر آئینہ دار ہو۔ اور سبحان اللہ ہم آپ حضرات میں اسکی جامعیت کا اپنے آنکھوں مظاہرہ کر رہے ہیں۔ آپ میں ایک طرف جامع کمالاتِ شریعت بھی ہیں اور واقفِ رموزِ طریقت بھی، تو دوسری طرف ماہرِ اسرارِ حقیقت و معرفت بھی۔ غرض ایک ہماری ہی نگاہِ دُور بین و نکتہ رس نے نہیں بلکہ زمانے کے یارانِ نکتہ داں نے آپ حضرات کو بڑے بڑے عقلمندوں، دانشوروں، مُدبّروں اور ماہرینِ علوم ظاہری و باطنی میں سے چُنا ہے۔ لہٰذا اب ہم آپ سب کے قولِ فیصل کے محتاج ہیں، جو دنائے عقل کے آگے یقیناً اٹل "لم یزلی" اور گراں قدر ہوگا۔"
نسیم نے کہا۔

"اچھّا بتاؤ وہ کیا بات ہے؟" (حاضرین جماعت میں سے کسی نے پوچھا۔)

نسیم میں نے کہا علم آسان ہے اور اس کے مقابل عمل کرنا بہت دشوار ہے لیکن یہ جناب (امجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) مانتے ہی نہیں اور اختلاف کرتے ہیں کہ "علم سیکھنا تو مشکل ہے، رہا عمل کرنا نہایت آسان ہے"۔ اب سلسلہ میں آنحضرات کا ارشاد؟

"علم کے مشکل یا آسان ہونے اسی طرح عمل کے مشکل یا آسان ہونے پر تمہارے کیا کیا دلائل اور شواہد ہیں؟ (ایکے از اہل جماعت)

دونوں نے اپنے اپنے دلائل و شواہد وغیرہ جو ابھی ابھی بیان کئے تھے پیش کئے اور اپنے دعوؤں کا ثبوت بھی خوب ہی دیا۔

فریقین کے باہم اختلاف و مباحث کے بعد جماعت والوں نے یہ مناسب سمجھا کہ علم اور عمل اسی طرح عالم اور عابد

کی اصل حقیقت کا انکشاف کیا جائے اور ان گتھیوں کو، سُلجھا یا جائے جو آئے دن اصل حقیقت پر پردہ داری کا کام انجام دی جا رہی ہیں، تاکہ جب اصل حقیقت منظر خاص و عام پر آجائے گی تو الجھی ہوئی گتھیاں آپ خود سُلجھ جائینگی۔ پھر مسئلہ صاف ہوگا، نہ اختلاف ہوگا، نہ فساد۔

اسی حقیقت کے پیش نظر جماعت کے بعض حضرات نے اپنے گراں قدر مشورے بیش بہا فیصلے سُنائے اور بعض نے ان ہی کی تصدیق فرمادی۔

چنانچہ امام بیضاوی رح نے یہ بیان دیا :-

"عبادت انسان کا ایک ایسا کمال اور نور ہے جو ذات عابد کے ساتھ لازم رہتا ہے، اس سے الگ نہیں رہتا جس سے ستاروں کے نور کے مشابہ ہے اور علم ایک ایسا کمال ہے جو خود عالم کے نفس میں شرف اور فضل پیدا کرتا ہے، اور غیروں تک متعدی ہوتا ہے، چنانچہ وہ غیر بھی ان عالم کے نور سے منور اور اس کے واسطہ سے کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

آپکے بعد علامہ طیبی رح نے فرمایا :-

یہاں عالم کو عابد پر ترجیح دی گئی ہے تو یہ مت سمجھو کہ جس عالم کو فضیلت دیجا رہی ہے وہ عمل سے بالکل ہی کورا ہے اور وہ عابد جس پر فضیلت دیجا رہی ہے وہ علم سے بالکل بے بہرہ ہے، یہ بات نہیں ہے بلکہ اُس عالم کا علم اُس کے عمل پر غالب ہے۔ اور اس عابد کا عمل اسکے علم پر غالب ہے، اسی لئے علماء جو ورثۃ الانبیاء قرار دئے گئے تو مراد اس سے وہ علماء ہیں جنہوں نے علم و عمل دونوں کو جمع کیا ہے اور کمال و تکمیل دونوں فضیلتوں کے حامل ہوئے ہیں۔ چنانچہ عارفین باللہ اور سالکین الی اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ علم و عمل دونوں ہی کے جامع ہوتے ہیں"۔

پھر علامہ تورپشتی رح نے عرض کیا :-

فقہ فی الدین کی حقیقت وہ ہے کہ جو قلب میں واقع ہو اور پھر زبان پر ظاہر ہو، جس کا ثمرہ علم ہوا اور جو خوف اور تقویٰ پیدا کرے، باقی اہل غرور جو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اس ثمرہ عظمیٰ سے اسکو دُور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ اُس علم کا محل تو صرف زبان ہوتی ہے نہ کہ قلب"۔

اب صاحب روح المعانی تشریف لائے، آیت "أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ" تلاوت فرماکر ارشاد فرماتے ہیں :-

"اس توبیخ و سرزنش کا بظاہر خطاب بنی اسرائیل کو ہے لیکن درحقیقت یہ ہر اس شخص کیلئے عام ہے جو دوسرے کو امر کرے۔ اور خود نہ کرے ("البدار البدار" جلدی کرو جلدی کرو) اور اپنے لئے تخلف اور "بوار" (پیچھے ہونا۔ اور ہلاکی) کو پسند کرے مخلوق کو حق کی طرف بُلائے اور خود اس سے نفرت کرے، اور عوام سے حقائق کا مُطالبہ کرے اور خود حقائق کی بُو نہ سونگھی ہو۔ یہی وہ شخص ہے کہ بُت پرستوں کے عذاب سے قبل اسکو عذاب دیا جائے گا اور چونکہ اسکی تقصیر بڑی ہے، اس لئے اسکی سزا بھی بڑی ملیگی جس دن کہ کوئی حاکم نہ ہوگا بجز مالک دیان کے (یعنی قیامت میں) محمد بن واسع سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جنت کے کچھ لوگ بعض اہل نار کو دیکھ کر اُن سے کہینگے کہ تم ہی لوگوں نے ہمیں کچھ باتیں بتائی تھیں جن پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو گئے

اور تم یہاں کیوں ہو؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ جن باتوں کا ہم تم کو حکم کرتے تھے خود اس کے خلاف کرتے تھے، اس لئے یہ ہمارا حشر ہوا۔

اب صاحب "روح المعانی" کی تائید میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

"معلم اپنے علم پر عامل ہو، اس کا فعل اسکے قول کی تکذیب نہ کرے، اسلئے کہ علم کا ادراک تو باطنی آنکھ سے ہوتا ہے اور عمل ظاہری آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور ظاہری آنکھ والے بہ نسبت باطنی کے زیادہ ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ علم کا ادراک نہ ہو اور بے عملی کا ادراک ہو جائے۔ پس اگر عمل علم کے خلاف ہوگا تو ہدایت سے مانع ہوگا اور جو شخص خود تو کوئی کام کرے اور لوگوں سے کہے کہ تم نہ کرو، تو یہ سم قاتل ہے، لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے، اور اس کو متہم کریں گے اور اس چیز کے کرنے پر ان کی حرص زیادہ ہوگی، یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر یہ کوئی پسندیدہ اور اچھی چیز نہ ہوتی، تو وہ خود کیوں کرتا؟ اور معلم ہادی اور اس سے ہدایت حاصل کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے نقش اور مٹی اور سایہ اور لکڑی پس گھندی ہوئی مٹی کو کیونکر منقش کیا جا سکتا ہے، ایسے سانچے سے جس میں نقش نہ ہو اور سایہ کیسے سیدھا ہو سکتا ہے، جبکہ لکڑی ہی ٹیڑھی ہو۔ جب لکڑی ٹیڑھی ہوگی تو ظاہر ہے کہ سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اسی معنی میں یہ شعر ہے ؎

لا تنہ عن خلق وتاتی مثلہ
عار علیک اذا فعلت عظیم

(ایسا نہ کرو کہ ایک بات سے دوسروں کو منع کرو اور خود اسے کرو، اگر ایسا کیا تو تمہارے لئے یہ بڑی شرم کی بات ہوگی)

اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا غضب ہے کہ کہتے ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے۔ اسی واسطے عالم کا گناہ اس کے گناہوں میں جاہل کے گناہ سے بڑا ہے کیونکہ اسکی لغزش سے ایک دنیا کی لغزش ہو جاتی ہے اور لوگ اسکی اقتداء کرتے ہیں۔

(اور حدیث شریف میں ہے کہ) جو شخص کوئی برا طریقہ ایجاد کرے تو اسپر اپنا وبال بھی ہوگا اور ان لوگوں کا بھی وبال ہوگا جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے۔ اسی واسطے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میری کمر دو آدمیوں نے توڑ رکھی ہے، اور ایک عالم جو حکم شرعی کی پردہ داری کرتا ہو یا بے حرمتی اور ہتک کرتا ہو، دوسرا جاہل عابد اسلئے کہ لوگ اسکی عبادت سے دھوکے میں پڑینگے اور عالم اس لئے کہ اپنی بے عملی سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالے گا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح سب نے ایک ایک کرکے بیانات دیئے اور اپنی جگہ پر سب بیٹھ گئے، کافی وقت گذر گیا، دنیائے علم و عمل "جج منٹ" سننے کی مشتاق ہے، سب کی نگاہیں عقل کی طرف دوڑیں اور عقل نے ان ہی فیصلوں کی روشنی میں یہ **فیصلہ** دیا:۔

"علم اور عمل کے متعلق زمانہ افراط وتفریط (بے انتہا تعریف اور لامحدود تذلیل) سے کام لے رہا ہے۔ رسمی اور حقیقی مولوی کی تمیز نہیں رہی، قرآن وحدیث نے جہاں علماء کی تعریف کی ہے، وہیں ان کی لغزشوں اور غلطیوں پر خوب جھنجوڑا ہے اور سخت سے سخت وعیدیں بیان کئے ہیں۔ یہی